ابنِ صفی

جلد نمبر
8

جاسوسی دنیا

24- پتھر کی چیخ

25- خوفناک ہنگامہ

26- دوہرا قتل

جاسوسی دنیا نمبر 25

خوفناک ہنگامہ

(مکمل ناول)

پیش لفظ

''خوفناک ہنگامہ'' میں نے چیلنج کے ساتھ لکھا ہے اور اسی چیلنج کے ساتھ جوبلی نمبر کی صورت میں اسے پیش کر رہا ہوں۔ تحیر اور استعجاب، قدم قدم پر نئی دھڑکنیں اور نئے ہنگامے ایک ایسا ماحول آپ کے سامنے لائیں گے کہ آپ بہرحال یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جاسوسی ادب نے ایسا کارنامہ اب تک کسی زبان میں پیش نہیں کیا گیا۔

اس کہانی کے مجرم کوئی معمولی انسان نہیں ہیں۔ فریڈرک، شلائر، اور گارساں تین بھیانک انسان جن کی آپس کی لڑائی نے فریدی جیسے ذہین نڈر اور باحوصلہ شخص کو پریشان کر دیا۔ ایک بین الاقوامی مجرم ہندوستان کے ایک عظیم سائنسدان سے ایک گہرا راز حاصل کرنے کے لئے کتنے خون کر ڈالتا ہے۔ مجرموں کا یہ گروہ انہیں میں سے ہے جس نے مسولینی کو دوسری جنگ عظیم کے دوران فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

میاں حمید کا کردار آپ لوگوں کے لئے ہمیشہ ایک بحث کا موضوع رہا۔ وہ ہنسوڑ ہے۔ کھلنڈرا ہے۔ ہر وقت زندگی کی تیز دھوپ سے بچنے کے لئے قہقہوں کے رنگ محل تیار کرتا رہتا

ہے۔ مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ جب وہ کام کرنے پر آتا ہے تو فریدی بھی تعجب میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی بہادری اور تیزی اپنی جگہ پر اٹل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ خود مذاق بن کر دوسروں کو مضحکہ خیز بنا کر لطف اٹھاتا ہے۔

میں سنسنی خیز اشتہار بازی کا قائل نہیں ہوں اور جو کچھ بھی کامیابی جاسوسی دنیا کے ناولوں نے حاصل کی ہے وہ اسی بناء پر کی ہے کہ جب بھی آپ سے جو وعدہ کیا گیا اسے حتی الامکان پورا کیا گیا۔ اردو میں کسی مصنف کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ اس کی کتابیں سال بھر میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد فروخت ہوتی ہیں اور جاسوسی دنیا کے ناولوں کے مصنف یعنی اس خاکسار کو یہ فخر صرف آپ کے ذوق سلیم اور اپنے ساتھیوں کے تعاون کی بناء پر حاصل ہے۔

ابن صفی

انجانے اشارے

محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کے کلاک ٹاور نے نو بجائے اور رات کا سناٹا کچھ اور گہرا ہو گیا۔ وسط دسمبر کی ایک تاریک اور انتہائی سرد رات تھی۔ کہرے کی وجہ سے ستارے بھی مدھم نظر آ رہے تھے۔ سردی کی شدت میدانی علاقے میں بھی یخ بستہ پہاڑوں کی یاد دلا رہی تھی۔ ابھی نو ہی بجے تھے لیکن سناٹے کا یہ عالم تھا جیسے کافی رات گزر گئی ہو۔ اگر کبھی سڑک پر ایک آدھ کار گزر جاتی تو سکوت کچھ اس طرح ٹوٹتا جیسے کسی مریض نے کراہ کر کروٹ بدلی ہو اور پھر بے خبر ہو گیا ہو۔

محکمہ سراغ رسانی کے آپریشن روم میں تقریباً تمام مقامی سی آئی ڈی انسپکٹر موجود تھے۔ ان میں رات کی ڈیوٹی والے بھی تھے اور دن کی ڈیوٹی والے بھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں ایک خاص مقصد کے تحت اس وقت یہاں اکٹھا کیا تھا اور خود موجود نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی راتوں سے ٹرانسمیٹر پر کچھ عجیب و غریب آوازیں سنی جا رہی تھیں۔ افسران بالا کا خیال تھا کہ وہ کوئی خاص قسم کی اشاراتی زبان تھی اور کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کی جا رہی تھی۔ آپریٹر اسے پچھلی دو راتوں سے برابر ریکارڈ کر رہا تھا۔ اس کی ایک ایک کاپی محکمے کے سارے انسپکٹروں کے پاس پہنچا دی گئی تھی لیکن کوئی ابھی تک اس کا مفہوم نہیں پیدا کر سکا تھا۔ آخر افسران بالا نے تھک ہار کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ سب آج رات کو بذات خود آپریشن روم میں موجود رہیں۔

یہ آوازیں ٹھیک دس بجے رات کو ٹرانسمیٹر پر سنائی دیتی تھیں۔ آپریٹر کا بیان تھا کہ اس معمول میں ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔

ایشیا کا عظیم سراغ رساں فریدی سب سے الگ تھلگ بیٹھا آپریٹر کی رپورٹ پڑھ رہا تھا۔ سیاہ السٹر میں جس کے کالر کانوں تک کھڑے ہوئے تھے اس کا خوبصورت چہرہ بڑا حسین لگ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور ہونٹ قدرے سکڑ گئے تھے۔

''ہم لوگ تو محض جھک مارنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔'' اس کے کانوں میں انسپکٹر آصف کی آواز گونجی جو ابھی ابھی آیا تھا اور دروازے میں کھڑا پُرتمسخر انداز سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دوسرے انسپکٹر ہنسنے لگے۔ لیکن نہ جانے کیوں ان کے قہقہے فریدی کی ہلکی سی مسکراہٹ کے آگے بے جان معلوم ہو رہے تھے۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کے سارے ساتھی اس کی دولت شہرت اور مقبولیت کی بناء پر اس سے جلنے لگے تھے اور موقع بے موقع اس پر طنز کرنے اور پھبتیاں کسنے سے باز نہیں آتے تھے۔ اس کے ساتھ کے سبھی انسپکٹر معمر اور بزعم خود جہاندیدہ اور تجربہ کار تھے۔ لہٰذا وہ اپنے مقابلے میں ایک ''نوجوان انسپکٹر'' کو آگے بڑھتے کس طرح دیکھ سکتے تھے۔ انسپکٹر آصف ان سب کا پیش رو سمجھا تھا اور وہ تھا بھی ان سب سے سینئر لیکن کارکردگی میں کسی رنگروٹ سے بھی بدتر تھا۔ فریدی عموماً اس کی باتوں کو ہنس کر ٹال دینے کا عادی تھا۔ آصف چونکہ اس سے عمر میں بہت بڑا تھا اس لئے وہ اس کا احترام کرتا تھا لیکن کبھی کبھی خود اسی کی چھیڑ چھاڑ فریدی کو بے تکلفی پر آمادہ کر دیتی تھی۔

''اسی لئے میں آپ سب سے کافی فاصلے پر بیٹھا ہوں۔''

''بچوں کا ہم لوگوں میں کام ہی کیا۔'' آصف نے کہا اور اپنا اوور کوٹ اتارنے لگا۔

فریدی اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ آصف نے جیب سے رومال نکالا اور ناک پر رکھ کر دو تین کریہہ آوازیں نکالنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آصف چچا......!'' انسپکٹر سنگھ بولا۔ ''اب تمہارا بڑھاپا ہے بچے ہی انگلی پکڑ کر تمہیں

چلائیں گے۔"

انسپکٹر سنگھ بھی ایک نوجوان آدمی تھا۔ فریدی سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ اس لئے وہ بھی انہی چند انسپکٹروں میں سے تھا جو اپنی عمر اور کارکردگی کی وجہ سے پرانے انسپکٹروں کی طعن و تشنیع کا شکار ہوتے تھے۔

"ہمارے سامنے کے شیر خوار ہو۔" آصف گردن اکڑا کر بولا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"اور یہی شیر خوار کچھ دنوں کے بعد ڈی۔ ایس۔ پی اور ایس۔ پی ہو جائیں گے۔" لیفٹیننٹ سعید نے کہا۔

لیفٹیننٹ سعید ملٹری کی سیکرٹ سروس سے مرکزی سی۔ آئی۔ ڈی میں آیا تھا اور اس کا شمار بھی محکمے کے نوجوان انسپکٹروں میں ہوتا تھا۔

"نوجوانی کے خواب کافی حسین ہوتے ہیں۔" انسپکٹر آصف مسکرا کر بولا۔ "ابھی سے ترقی کے چکر میں پڑ کر ان خوبصورت دنوں اور سحر انگیز راتوں کو برباد نہ کرو۔ جاؤ میرے بچو! یہ سرد رات اس لئے نہیں کہ تم یہاں سر کھپاؤ۔"

"پھر کہاں جائیں......؟" فریدی نے معصومیت سے پوچھا۔

"تم تو بیکار ہی پوچھ رہے ہو۔" آصف نے طنز آمیز مسکراہٹ کی ساتھ کہا۔

"کیوں......؟"

"سنا ہے تمہیں عورتوں کے قریب پہنچ کر چکر آنے لگتے ہیں۔"

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ فریدی کے ہونٹوں پر اب بھی وہی خود اعتمادی کی مسکراہٹ تھی۔

"چکر محض اس خیال سے آتے ہیں کہ آخر انہیں بوڑھے کس طرح سنبھالتے ہوں گے۔" اس نے کہا۔ "خصوصاً وہ بوڑھے جن سے پستہ قد عورتیں بھی نہیں سنبھالی جاتیں۔"

آصف چونک کر فریدی کو گھورنے لگا اور فریدی نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا۔

"ایک بے تکی بات کہہ کر اس طرح قہقہہ لگانا بیوقوفی کی علامت ہے۔" آصف بھنا کر بولا۔

"میں دراصل یہ عرض کر رہا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "جب بوڑھوں سے رقص گاہوں کو پناہ ملے گی تو ہم نوجوان بھی اس کے متعلق کچھ سوچ سکیں گے۔"

''کیا مطلب......؟'' آصف پھر اُسے گھورنے لگا۔

''کیا آپ کچھ دیر قبل ہوٹل ڈی فرانس میں ایک پستہ قد عورت کے ساتھ نہیں ناچ رہے تھے؟''

''دوسروں کی ٹوہ میں رہنا کمینہ پن ہے۔'' آصف جھلا کر بولا۔

''خیر اس کمینے پن میں تو ہم سب سرکاری طور پر مبتلا ہیں۔'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ''مسٹر آپریٹر اس بات کے شاہد ہیں کہ میں پانچ بجے سے اسی کمرے میں موجود ہوں۔''

''تب تم نے کسی سے سنا ہوگا۔''

''مسٹر آپریٹر یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ کوئی اس وقت سے میری کرسی کے قریب بھی نہیں آیا۔''

آپریٹر نے فریدی کی تائید کی۔

''کیوں استاد آصف......!'' انسپکٹر بز جی نے قہقہہ لگایا۔ ''ہم تمہیں قطعی گھریلو آدمی سمجھتے تھے۔''

''جھوٹ ہے! بکواس ہے۔'' آصف نے جھلا کر کہا اور فریدی کو گھورنے لگا۔

''میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ آپ تین راؤنڈ ناچے تھے۔''

آصف نے بوکھلا کر اپنے کوٹ کے اوپری جیب پر نظر ڈالی۔ ایک خوش رنگ رومال کا کونہ اوپر نکلا ہوا تھا۔ جسے اس نے جلدی سے اندر کرلیا۔

''اوہ......اس رومال کی بناء پر تم ایسا کہہ رہے ہو۔'' آصف نے منہ سکوڑ کر کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ یہ کسی دوسرے کا ہو۔''

''نہیں جناب یہ قطعی آپ کا ہے۔'' فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔

''اور یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں آج پہلی بار ہوٹل ڈی فرانس کے رقص میں شرکت کی تھی۔''

''بالکل بکواس ہے۔''

''اگر یہ رومال کسی اور کا ہوتا تو وہ اسے اس کے صحیح مصرف میں لایا ہوتا۔''

''صحیح مصرف......؟'' انسپکٹر بز جی نے فریدی کو ٹوکا۔

''جی ہاں یہ رومال ہوٹل ڈی فرانس والوں کی ایک احمقانہ جدت ہے۔ اگر آپ تین راؤنڈ ٹکٹ خریدیں تو آپ کو ٹکٹوں کے ساتھ اس قسم کا ایک رومال بھی ملے گا جو قطعی اس قابل نہیں

ہوتا کہ کسی اونچے مذاق کی آدمی کے استعمال میں رہ سکے۔ پھر اگر یہ رومال واپس کر دیا جائے تو ایک راؤنڈ کا ٹکٹ مفت مل جاتا ہے۔ صرف اناڑی ہی اسے استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ ورنہ جاننے والے اسے واپس کر کے ایک راؤنڈ مفت ناچ لیتے ہیں۔"

"تم میری توہین کر رہے ہو۔" آصف گرجا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس کے نوجوان ساتھی بھی دل کھول کر ہنس رہے تھے اور اس وقت وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ جو ان سے پرخاش رکھتے تھے۔ آصف نے جب کوئی صورت بچاؤ کی نہ دیکھی تو وہ خود بھی ہنسنے لگا۔

"خیر...... خیر......!" آصف نے بلند آواز میں کہا۔ "میری جیب میں یہ رومال دیکھ کر کوئی بھی واقف کار اتنی باتیں بتا سکتا تھا۔"

"لیکن شاید وہ یہ نہ بتا سکتا کہ آپ کی ہم رقص پستہ قد تھی۔" انسپکٹر سنگھ بولا۔

"یہ غلط ہے۔" آصف نے بگڑ کر کہا۔

"قطعی صحیح ہے۔" فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ ایک بار ناچتے ناچتے بری طرح لڑکھڑائے بھی تھے مگر گرے نہیں! ہاں تو جناب سوئنگ لینے سے پہلے آپ اپنی طاقت اور عورت کے وزن کا اندازہ ضرور لگا لیا کیجئے۔"

آصف منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم غلط کہتے ہو! تم وہاں نہیں تھے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"مسٹر آپریٹر......!" فریدی نے آپریٹر کو مخاطب کیا۔

"یہ حقیقت ہے کہ مسٹر فریدی پانچ بجے سے یہیں اسی کمرے میں موجود ہیں شاید ایک با[ر] اپنا السٹر پہننے کے لئے گئے تھے۔" آپریٹر نے کہا۔

"تب کسی اور نے اطلاع دی ہوگی۔" آصف نے کہا۔

"کسی نے بھی نہیں...... یقین کیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"تب تم آدمی نہیں ہو...... بھوت ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ بات درست ہو۔" فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک پیدا ہو گ[ئی]

اور وہ سگار سلگانے لگا۔

''مگر یار تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ عورت پستہ قد تھی۔'' لیفٹیننٹ سعید نے پوچھا۔

''چھوڑو بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔'' انسپکٹر آصف نے اکتا کر کہا۔

''واہ چچا......!'' انسپکٹر سنگھ نے قہقہہ لگایا۔ ''ذرا بچوں کو بھی تو لطف اندوز ہونے دیجئے۔''

فریدی شرارت آمیز نظروں سے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''جب کسی شریف آدمی کے سینے پر۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''لپ اسٹک کا دھبہ دکھائی دے تو یہی سمجھنا چاہئے کہ عورت پستہ قد تھی۔ اگر کاندھے پر یہی دھبہ دکھائی دے تو عورت ہر حال میں دراز قد سمجھی جائے گی۔ لیکن یہ دھبے عموماً بے ساختگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ناچتے ناچتے دونوں لڑکھڑا جائیں اور گرنے کے خوف کی وجہ سے لپ اسٹک کی تہہ بگڑنے کا دھیان نہ رہ جائے۔''

آصف نے بوکھلا کر اپنے سینے پر نظر ڈالی۔ سفید قمیض پر ایک واضح قسم کا دھبہ موجود تھا۔ انسپکٹروں نے قہقہے لگائے اور وہ جھلاہٹ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ قہقہے اور تیز ہو گئے۔

''کون جانے یہ حضرت اسے لے کر گر ہی پڑے ہوں۔'' انسپکٹر بز جی ہنستا ہوا بولا۔

''نہیں......!'' فریدی نے کہا۔ ''اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ دھبہ پھیل جاتا۔ آصف صاحب گرتے گرتے سنبھل گئے تھے۔''

''مگر یار تم نے پکڑا خوب۔'' لیفٹیننٹ سعید بولا۔ ''اپنا جواب نہیں رکھتے۔''

فریدی بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ اتنے میں کینٹین کا بیرا کافی لے کر آیا۔ اسی کے پیچھے پیچھے انسپکٹر آصف بھی داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار تھے۔ ایک بار پھر آپریشن روم قہقہوں سے گونج اٹھا۔ آصف ہونٹ سکوڑے ہوئے ایک پیالی میں کافی انڈیل رہا تھا۔

''میرے خیال سے تو اس وقت ٹھنڈا پانی زیادہ مناسب رہے گا۔'' لیفٹیننٹ سعید مسکرا کر بولا۔

''تم بدتمیز ہو۔'' آصف اس کی طرف پلٹ پڑا۔

''شٹ اپ......!'' لیفٹیننٹ سعید پیر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

آصف پیالی رکھ کر اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔ فریدی اٹھ کر ان کے درمیان آ گیا۔

''سعید! مذاق کو مذاق ہی میں رہنے دو۔'' وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''میں نے اسے مذاق کی حدود سے نہیں نکالا۔'' سعید آصف کو گھورتا ہوا بولا۔

''خیر! چھوڑو...... فضولیات میں کیا رکھا ہے۔'' فریدی نے کہا اور اسے دوسری طرف دھکیل لے گیا۔

پھر وہ سب خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ آصف اور سعید اب تک ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر کے ریسیونگ سیٹ کی آواز بلند ہو گئی۔

''ٹک ٹکل ٹاک'' وہ سب چونک پڑے۔ ریسیونگ سیٹ سے آوازیں آتی رہیں۔ ''رف ٹکل ٹٹ لیٹ ٹکل ٹاک...... اولیو ہاورڈ...... ٹکل ٹیپ ٹیپ رافٹ...... سیسل براؤن...... ڈفٹی لاک لاک...... ٹافٹ......!''

بولنے والا لہجے کے اعتبار سے دیسی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سب غور سے سنتے رہے۔

''رک...... رک...... روفئی ٹکل ٹاک...... پلیٹ ہاف...... ٹکل ٹکل...... ارے باپ۔''

''یہ چیخ کیسی؟'' فریدی اچھل کر بولا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''ٹکل ٹکل'' کے فوراً بعد ایک چیخ سنائی دی تھی اور یہ چیخ قطعی دیسی تھی۔ چیخنے والا اردو میں چیخا تھا۔ پھر ہلکی ہلکی گھڑ گھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ ''ٹکل ٹکل'' اور دوسری آوازیں بھی سنائی جاتی رہیں جن کے پس منظر میں گھر گھراہٹ برابر جاری تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کے ہونٹ سل گئے ہوں۔

سب سے پہلے فریدی ہی بولا۔

''میرے خیال سے یہ جس ٹرانسمیٹر کی آوازیں ہیں وہ کسی کار میں فٹ ہے۔''

وہ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''مگر یہ چیخ کیسی تھی؟'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' سعید اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ''یہ گھر گھراہٹ کسی کار ہی کی تھی۔''

''لیکن یہ چیخ۔'' فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ ''یہ کسی غیر ملکی کی نہیں تھی۔''

''تمہیں دھوکا ہوا ہے۔'' انسپکٹر بز.جی نے کہا۔ ''وہ چیخ نہیں تھی۔''

''آپریٹر...... ریکارڈ لیا ہے؟'' فریدی نے آپریٹر سے پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''سناؤ......!''

تھوڑی دیر بعد آپریٹر نے ریکارڈ سنایا۔ چیخ موجود تھی۔ ''ارے باپ'' صاف سنائی دیا۔

''آخر یہ ہے کیا بلا......؟'' انسپکٹر سنگھ نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی نیا سگار سلگا رہا تھا۔

''اس میں دو نام بھی لیے گئے ہیں۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اولیو ہاورڈ اور سیسل براؤن۔''

''یہ لپ اسٹک کے دھبوں پر نظر رکھنے والوں کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔

فریدی جواباً مسکرا کر رہ گیا۔

''اس بار تو وہی تیر ماریں گے جن سے عورتیں نہیں سنبھلتیں۔'' سعید نے قہقہہ لگایا۔

''میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔'' آصف تلخ لہجے میں بولا۔

''میں خود چھچھورے آدمیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔''

''منہ میں لگام دو۔'' آصف کھڑا ہو گیا۔

''یار تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔'' فریدی نے کہا اور سعید کو کھینچتا ہوا باہر لایا۔

''تم دخل مت دیا کرو۔'' سعید ہانپتا ہوا بولا۔ ''اس کے کیڑے جھاڑنے ہی پڑیں گے۔''

''اونہہ...... چلو...... آؤ...... تھوڑی تفریح ہو جائے۔ تم نے ابھی کھانا نہ کھایا ہوگا۔''

فریدی کی کیڈی لاک کولتار کی چکنی سڑک پر پھسل رہی تھی اور اس کا ذہن ان آوازوں سے زیادہ اس چیخ میں الجھا ہوا تھا۔

''سپرنٹنڈنٹ نے ناحق اتنی بھیڑ اکٹھا کی تھی۔'' سعید بولا۔

''کیوں؟''

''اس قسم کے اشارے نہ تو اپنے یہاں ملٹری ہی میں رائج ہیں اور نہ ہی مرکزی سی آئی ڈی میں۔''

''یہ تو ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''ظاہر ہے کہ یہ سب بیچارے انگلیوں کے نشانات کے ماہر ہیں۔''

''مگر یار......وہ چیخ۔'' فریدی نے دھیرے سے کہا۔

''وہ اور زیادہ حیرت انگیز تھی۔ چیخ کے ساتھ ہی کچھ دیر کیلئے وہ آوازیں بند ہوگئی تھیں۔''

''اور پھر گھر گھراہٹ سنائی دی تھی۔'' فریدی نے کہا۔''اور ان آوازوں کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا تھا۔''

''تم کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہو؟'' سعید نے پوچھا۔

''فی الحال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی ایسے ٹرانسمیٹر کی آوازیں تھیں جو کسی کار میں فٹ ہے۔''

سعید کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر کہنے لگا۔

''اور وہ مجھے تقریباً زبانی یاد ہے۔'' فریدی بولا۔ ''لیکن یہ اشارے میرے لئے قطعی نئے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں بعض پارٹیوں نے نئے اشارے اختراع کئے تھے ان میں سے کچھ مجھے بھی معلوم ہیں لیکن یہ ان میں سے بھی نہیں تھے۔'' کیڈی لاک مے پول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔

اور وہ دونوں اتر کر اندر چلے گئے۔ ایک حسین اور خوش گلو رقاصہ اسٹیج پر رقص کر رہی تھی۔ لیکن فریدی کا ذہن ان آوازوں میں الجھا ہوا تھا۔

چوٹ

سردی شباب پر تھی۔ شاہراہیں سنسان ہوچکی تھیں۔ خصوصاً شہر کے باہر تو قبرستان کی سی

خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آدھی رات کے ستارے نند اسی آنکھوں سے اپنے نیچے پھیلی ہوئی بیکران خلاؤں میں گھور رہے تھے۔ کرائم رپورٹر انور نے بے خبری میں کروٹ لی اور سڑک کے نیچے لڑھک آیا۔ اس کے چاروں طرف سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بکھرا ہوا تھا اور سر پر سیاہ اور ٹھنڈی رات اپنے تاریک بازو پھیلائے منڈلا رہی تھی۔

دفعتاً وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا اور بے ساختہ اپنے سر کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ زخم سے بہے ہوئے خون کے منجمد لختے بالوں میں پھیلنے لگے۔ وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کا یہ فعل قطعی مشینی رہا ہو۔ نقاہت ضرور محسوس ہو رہی تھی اور رات کی تاریکی اسے معمول سے زیادہ گہری نظر آ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی اپنے اعضا میں چستی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی چھوٹی سی ٹارچ بدستور موجود تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے استعمال کرنے کے بجائے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں پر زور دینے لگا۔

سناٹے کا تسلسل بدستور قائم تھا۔ انور ایک درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت آہستہ آہستہ واپس آ رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر جیب سے رومال نکال کر زخم پر باندھتا ہوا مغربی نشیب میں اترنے لگا۔ جھاڑیوں کی سرسراہٹ سناٹے میں پھیل رہی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی آہٹ کا منتظر ہو۔

پھر اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور جھاڑیوں میں روشنی ڈالنے لگا۔ اس کی موٹر سائیکل جوں کی توں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ سردی یونہی شدید اس پر سے طوفانی رفتار سے دوڑنے والی موٹر سائیکل پر ہوا کے طمانچے .... انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے زخم پر برف کے ہتھوڑے پڑ رہے ہوں۔ اس موسم میں شاید درد بھی منجمد ہو گیا تھا۔ زخم کی جگہ پر ایک بڑا سا دکھتا ہوا پتھر معلوم ہو رہا تھا اور سر اتنا بھاری لگ رہا تھا جیسے ذرا سی بے احتیاطی اسے گردن سے نیچے لڑھکا دے گی۔

شہر کی سنسان مگر روشن راہوں سے گزرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں موٹر سائیکل فٹ پاتھ پر نہ چڑھ جائے اس کے ہاتھ بُری طرح کانپ رہے تھے اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے

وہ پھر بیہوش ہو جائے گا۔

آخر کار اس نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے موٹر سائیکل روک دی۔ کچھ دور پر کھڑا ہوا سنتری چونک پڑا۔ وہ اسے شک آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انور ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھا اس نے آواز دی۔

''کون ہے؟''

انور رک گیا۔ سنتری اپنے جوتوں کی آواز سے سناٹے میں گونج پیدا کرتا ہوا اس کے قریب آیا۔

''کیا بات ہے؟''

''فون کروں گا۔''

''جانتے ہو کیا وقت ہے؟'' سنتری نے پوچھا۔

''دو......!'' انور نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''پھر......؟'' سنتری کی تیز نظریں انور کو ٹٹولنے لگیں۔

انور کو خیال آیا کہ بوتھ تو کبھی کا بند ہو چکا ہوگا۔

''اوہ...... مجھے دھیان نہیں تھا۔'' انور موٹر سائیکل کی طرف پلٹا۔

''ٹھہرو......!'' سنتری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ پھر انور کے قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''کہیں دنگا فساد کیا ہے؟'' اس کی نظریں چوٹ پر بندھے ہوئے رومال کی طرف اٹھ گئیں جس پر خون کا بڑا سا دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔

''نہیں، گر گیا تھا۔''

''کہاں......؟''

انور جھنجھلا گیا۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارنے سے باز نہ آتا لیکن اس وقت جب کہ ایک قدم اٹھانا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا خون کا گھونٹ پی کر رہ ہی جانا پڑا۔

''فون کرنا ضروری ہے۔ میں اس حالت میں گھر تک نہیں پہنچ سکتا۔'' اس نے کہا۔

سنتری چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تھانے سے کر دو۔''

''اوہ......!'' انور کے جسم میں پھر سے توانائی آ گئی۔ وہ بھول ہی گیا تھا کہ قریب ہی تھانہ بھی ہے۔

''اچھا دوست......!'' انور نے مسکرا کر کہا۔ ''ذرا یہ موٹر سائیکل دیکھنا، تھانے والے مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔''

اس کے جانے کے بعد بھی سنتری کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔

تھانے کا انچارج انور کو اچھی طرح پہچانتا تھا اسے اس حال میں دیکھ کر مسکرایا۔ ''کہیے قبلہ خیریت تو ہے؟''

''میں ذرا فون کروں گا۔''

اس نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ڈائل پر انگلی رکھی اور پھر پلٹ کر انچارج کی طرف دیکھنے لگا۔ جو معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''یہ چوٹ کیسی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''گر گیا تھا۔'' انور نے کہا اور نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو......فریدی صاحب ہیں......اوہ......آپ......آپ جاگ رہے ہیں۔ میں انور بول رہا ہوں......ولی گنج کے تھانے سے......مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ آپ تک پہنچ سکوں۔ فوراً آیئے۔''

انور ریسیور رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انچارج اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔''

''کیا انسپکٹر فریدی صاحب کو فون کیا ہے؟''

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تب تو کوئی خاص ہی بات ہوگی۔'' انچارج سر ہلا کر مسکراتا ہوا بولا۔

انور جواب دینے کی بجائے سگریٹ سلگانے لگا۔

''یقیناً کسی سے لڑ کر آرہے ہو۔'' انچارج نے کہا۔

''پتہ نہیں آپ لوگ مجھے بنیل کیوں سمجھتے ہیں۔'' انور کے لہجے میں تلخی تھی۔

انچارج تھوڑی دیر تک اُسے پُر تمسخر انداز میں دیکھتا رہا پھر ایک طرف مڑ کر اونگھنے لگا۔

انور اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ کے بعد سنتری انور کی موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا تھانے میں لے آیا۔ اسے غالباً یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ کوئی مجرم تھا جو اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے موٹر سائیکل اس کی حفاظت میں دے کر خود کہیں فرار ہو گیا۔

انور کو انچارج کے قریب بیٹھا دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

''صاحب آپ کی موٹر سائیکل برآمدے میں رکھی ہے۔'' اس نے انور سے کہا اور واپس چلا گیا۔

انچارج ایک لحظہ کے لئے چونک کر پھر اونگھنے لگا۔

ڈھائی بجے انسپکٹر فریدی تھانے میں داخل ہوا۔ انچارج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر کھڑا ہو گیا۔

''بڑی دیر سے پوچھ رہا ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''مگر انہوں نے کچھ بتایا ہی نہیں۔''

فریدی نے انور کے سر پر بندھے ہوئے رومال کو بغور دیکھا...... پھر انچارج کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

''آؤ چلیں......!'' اس نے انور سے کہا۔ ''موٹر سائیکل یہیں رہنے دو۔''

انچارج نے اردلی کو آواز دی۔

''موٹر سائیکل اندر رکھ دو۔'' اس نے اردلی سے کہا۔

فریدی کی کیڈی لاک سنسان سڑکوں سے گزر رہی تھی۔

''تو تم اس کار کے پیچھے لگ گئے تھے؟'' فریدی نے کہا۔

انور بے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھور رہا تھا۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا......؟''

''میں نے تمہاری چیخ سنی تھی۔'' فریدی بولا۔

''اور اس پر بھی آپ نے مجھے وہاں پڑا رہنے دیا۔'' انور نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''تم غلط سمجھے! مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم تھے کہاں؟''

''پھر......؟''

''میں نے تمہاری چیخ ٹرانسمیٹر پر سنی تھی اور تمہارا لہجہ صاف پہچانا تھا۔''

انور خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

''آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کار تھی؟''

''وہ آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔ تمہاری چیخ کے فوراً بعد ہی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تھی اور کار کے انجن کی آواز کے ساتھ ہی کافی دیر تک وہ اشارے بھی سنے جاتے رہے تھے۔''

''میں کئی دنوں سے اس کار کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔''

''ہوں......!'' فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ ''اس کے متعلق کچھ اندازہ بھی لگایا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی غیر ملک کے جاسوس ہیں۔''

''ان میں کسی کی شکل بھی دیکھی ہے؟''

''نہیں......اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''

''کار کا نمبر......؟''

''اندھیرا تھا......!''

''خیر......!'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اطمینان سے باتیں کریں گے۔''

گھر پہنچ کر فریدی نے انور کے زخم کی ڈریسنگ کی اور تھوڑی دیر تک اس کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

''برانڈی دوں......؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں پیتا۔''

''اور میں تمہاری اصول پرستی کی قدر کرتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''بہرحال سردی شدید ہے۔ ٹھہرو...... میں کافی بناتا ہوں۔''

''آپ......؟''

''ہاں......رات کو میں کسی نوکر کو جگانا پسند نہیں کرتا۔''

فریدی نے ہیٹر لاکر اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا۔

''ہاں......اب کہہ چلو......!''

آج سے چار دن قبل میں رات کو تارجام سے آرہا تھا۔ راستے میں میں نے اس کار کو دیکھا اور اسے نظر انداز کر کے شہر واپس آ گیا۔ دوسری رات پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ کار ٹھیک اسی مقام پر دکھائی دی لیکن میں جلدی میں تھا اور اس رات بھی میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ تارجام میں میں نے تھوڑا سا بزنس بھی شروع کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر رات گئے تک مجھے وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ بہرحال تیسری بار اس کار کو وہاں دیکھ کر مجھے اسے اہمیت دینی ہی پڑی۔ لہٰذا آج میں تارجام جانے کی بجائے سرِشام ہی وہاں جا کر چھپ گیا۔''

انور سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔ فریدی کی نظریں ہیٹر پر رکھی ہوئی کیتلی پر جمی ہوئی تھیں۔

''ٹھیک دس بجے کار وہاں پہنچی میں قریب ہی جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔'' انور سگریٹ کا طویل کش لے کر بولا۔ ''اور پھر کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ لہجہ یوروپین تھا۔ لیکن زبان......اس کے متعلق خود آپ ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ کسی قسم کے اشارے تھے۔''

انور خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جو ابھی تک کیتلی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں جھاڑیوں سے نکل کر کار کی پشت پر آ گیا۔ دراصل میں بولنے والے کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ کار میں اندھیرا تھا۔ البتہ میں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا کہ اس میں کئی آدمی تھے اور پھر شاید کسی نے پیچھے سے مجھ پر حملہ کیا۔''

''کار کا رنگ اور موڈل وغیرہ بتا سکو گے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ ۴۶ء کی فورڈ تھی۔''

تھوڑی دیر بعد کافی تیار ہو گئی۔

''اب اس وقت گھر تو جاؤ گے نہیں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں......!'' انور نے کہا۔ ''لیکن میں حمید کے کمرے میں نہیں لیٹوں گا۔''

فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''نہیں......وہ گھر میں ہے ہی نہیں۔''

''تب میں خوش نصیب ہوں۔ خواہ مخواہ بھیجا چاٹ کر رکھ دیتا ہے۔''

فریدی نے کافی کی پیالی انور کی طرف بڑھا دی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔

سرجنٹ حمید کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سیاہ سوٹ پر السٹر پہن رکھا تھا۔ فلٹ ہیٹ سر کی پشت پر چپکی ہوئی تھی اور بال پیشانی پر لٹک آئے تھے۔ کمرے میں ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ شاید وہ یہ سمجھا تھا کہ فریدی سو گیا ہوگا اور وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا جائے گا۔ پھر صبح کو اس سے کہے گا کہ وہ تو گیارہ بجے ہی واپس آ گیا تھا۔ بہرحال انور کے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر اس کے ذہن نے قلابازی کھائی اور قبل اس کے کہ فریدی اس سے اتنی رات گئے گھر آنے پر باز پرس کرتا......حمید انور کو مخاطب کر کے بولا۔

''تو آپ یہاں مزے کر رہے ہیں اور وہ بے چاری رشیدہ پریشان ہو رہی ہے۔''

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

''جی ہاں۔'' حمید اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر میز پر اچھالتا ہوا بولا ''آپ آج شام کو چند غنڈوں سے لڑ کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ اس وقت سے میں اور رشیدہ نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔''

''کس نالی کا کیچڑ چاٹ کر آ رہے ہو؟'' انور نے مسکرا کر پوچھا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''کہاں تھے؟''

''بتایا تو کہ رشیدہ کے ساتھ......!''

''انور کی تلاش کر رہے تھے۔'' فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

''جی ہاں......!''

''اور انور کہاں تھا......؟''

''جہنم میں......!'' حمید جھلا کر بولا اور کیتلی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''شامت آئی ہے۔''

''پتہ نہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور پیالی میں کافی انڈیلنے لگا۔

پھر انور کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اب غنڈہ گردی بھی شروع کردی ہے تم نے؟ یار کسی دن بند نہ کرادوں تمہیں۔''

''تم تھے کہاں......؟'' فریدی نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''تب معاملہ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔'' حمید سنجیدگی سے بڑبڑایا اور فریدی کی طرف دیکھ کر معصومیت سے بولا۔ ''ہائی سرکل نائٹ کلب میں۔''

''کل سے پھاٹک نہیں کھلے گا۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ بات تو سمجھتے نہیں۔'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آج کل آپ ٹکل ٹکل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا قبل اس کے کہ میری موت آئے میں اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کرالینا چاہتا ہوں۔''

''بکومت......!''

''اچھا نہیں بکوں گا۔ میں سمجھا تھا شاید آپ میری بکواس سننا چاہتے ہیں۔''

''میرے خیال سے شاید اب وہ کار اس جگہ نہ دکھائی دے۔'' فریدی نے انور سے پوچھا۔

''میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' انور بولا۔

''تم ہمیشہ غلط سوچتے ہو۔'' حمید نے کہا۔

''پھر بولے تم......!'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''لیکن غلط نہیں بولا۔''

''شٹ اپ......!''

گلدان میں ہاتھی

''مثلاً یہ گلدان'' حمید نے مینٹل پیس سے ایک چینی کا گلدان اٹھا کر جھٹکے دار آواز میں کہا۔ ''اگر میں چاہوں تو اس گلدان سے ہاتھی نکال سکتا ہوں۔''

''کیا بکتے ہو۔'' فریدی اسے گھور کر بڑبڑایا۔

''خدا کی قسم ہاتھی نکالوں گا۔''

انور بیزاری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور رشیدہ ہنس رہی تھی۔ وہ اس وقت ڈائننگ روم میں صبح کا ناشتہ کر رہے تھے۔ انور رات بھر گھر سے غائب رہا تھا۔ اس لئے رشیدہ نے صبح ہی صبح فریدی کو فون کیا تھا۔ ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ یہی کرتی تھی۔ بہر حال فریدی سے انور کے متعلق معلوم ہونے پر وہ سیدھی یہیں چلی آئی تھی۔

حمید پر اب تک ہپناٹزم (عمل تنویم) کی مشقوں کا بھوت سوار تھا۔ اس لئے وہ عموماً بہت ہی ہلکے قسم کا ناشتہ کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ تھوڑا سا پورج کھا کر اور ایک گلاس گرم گرم دودھ پینے کے بعد اٹھ گیا تھا اور اب ٹہل ٹہل کر کافی پی رہا تھا۔

''ہاں تو اس میں سے ہاتھی ضرور نکلے گا۔'' اس نے گلدان کو میز پر رکھ کر اسے رومال سے ڈھک دیا۔

''چین سے بیٹھو ورنہ چانٹا مار دوں گا۔'' فریدی بولا۔

''ہپناٹزم میں وہ قوت ہے کہ وہ ہی چانٹا انور کے منہ پر بھی پڑ سکتا ہے۔'' حمید نے ہانک لگائی۔ ''لیکن ہاتھ بی رشیدہ کا ہوگا۔''

''رشیدہ کا سینڈل اور تمہارا سر بھی ہو سکتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''اخلاقاً اسے بھی برداشت کرلوں گا۔ کیونکہ فی الحال تمہارا سر اس قابل نہیں ہے اور رشیدہ صاحبہ اپنے معمولات میں فرق بھی نہ ڈال سکیں گی کیونکہ رشیدہ صاحبہ یہ غذا آپ کے ناشتہ ہی کے ساتھ مہیا کرنے کی عادی ہیں۔''

''مجھے مت گھسیٹئے۔'' رشیدہ نے مسکرا کر کہا اور کافی کا گھونٹ لے کر گلدان کی طرف دیکھنے لگی۔

''آپ خود ہی اسکے ساتھ گھسٹتی پھرتی ہیں۔'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ''ورنہ یہ اس قابل ہے؟''

''حمید تمہاری زبان بند ہوگی یا دوسرا راستہ اختیار کیا جائے۔'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''ہاں تو جناب ...... اس گلدان سے ہاتھی برآمد ہوگا۔'' حمید نے اس کی بات اڑا کر کہا۔

''ارے انور...... اپنے دونوں ہاتھ الگ رکھو...... اگر انگلیاں پھنسائے رہے تو...... ہاتھی۔''

''اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کا کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔

حمید نے یہ سارا کھڑاگ اسی لئے پھیلایا تھا کہ اسے فریدی اور انور کی اس گفتگو سے نجات مل جائے جو چھڑنے ہی والی تھی۔ آج کل وہ سر کھپانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر سنائی دینے والی آوازیں عنقریب ہی وبال جان بننے والی ہیں۔ انور کو پیش آنے والے حادثے نے تو رہی سہی کسر بھی پوری کردی تھی۔ بہرحال وہ دل ہی دل میں قہقہے لگاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اسکے جانے کے بعد رشیدہ نے اٹھ کر گلدان پر سے رومال ہٹایا اور پھر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

''کیا ہے......؟'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

رشیدہ نے گلدان میز پر الٹ دیا۔

انور بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

پیتل کا ایک چھوٹا سا ہاتھی گلدان سے نکل پڑا تھا۔

''یار بڑا ائوّر ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ بظاہر یہ قطعی بچوں کی سی حرکت ہے لیکن اس کا مقصد میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔''

''کیا......؟'' انور نے پوچھا۔

''بس ڈوج دے کر نکل گیا۔''

''یعنی......؟''

''ہماری گفتگو میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا۔'' فریدی پیتل کے ہاتھی پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ وہ تھوڑی دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دفعتاً چونک پڑا۔

''ذرا اسے اٹھانا تو......!'' اس نے رشیدہ سے کہا۔

رشیدہ نے وہ کھلونا فریدی کی طرف کھسکا دیا۔

فریدی اسے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھتا رہا۔ پھر اسے میز پر رکھ کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنے حافظے پر زور دے رہا ہو۔

''حمید......!'' اس نے آواز دی جو برابر والے کمرے میں کھڑا ہلکے سروں میں سیٹی بجا رہا تھا۔

''فرمایئے۔'' اس نے وہیں سے کھنکھناتی ہوئی آواز میں ہانک لگائی۔

''یہاں آؤ۔''

''دوسرا کان میں اپنے لئے رکھنا چاہتا ہوں۔''

''چلو......!'' فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''غلام حاضر ہے۔ زیادہ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔'' حمید نے ڈرائنگ روم میں آ کر کہا۔

''یہ ہاتھی کہاں تھا......؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں......'' حمید لاپروائی سے بولا۔

''بیکار باتیں مت کرو۔'' فریدی نے زچ ہو کر کہا۔ ''مذاق کے دوسرے مواقع بھی ہو سکتے ہیں۔''

''یہ یہاں کیسے آیا......؟'' حمید نے رشیدہ سے پوچھا۔

''گلدان میں تھا۔''

حمید نے قہقہہ لگایا اور پھر ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

''انور...... یہ سب تمہاری بدولت ہوا'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' انور بھنا کر پلٹا۔

''میں تم سے کہہ رہا تھا کہ انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر مت بیٹھو۔''

''پھر وہی بکواس۔'' فریدی بولا۔

''اگر یہ ایسا نہ کرتا تو ہاتھی زندہ اور گوشت پوست میں ہوتا۔''

''اچھا بیٹے ذرا قریب آؤ۔'' فریدی نے پیتل کے ہاتھی کی دم پکڑ کر اسے گھماتے ہوئے کہا۔ اس کی دم اس طرح گھوم رہی تھی جیسی وہ چوڑیوں پر کس دی گئی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے دم

الگ ہوگئی اور اس کی جگہ ایک سوراخ دکھائی دینے لگا۔ فریدی اپنا ہاتھ پھیلا کر اسے اپنی آنکھوں کی سطح تک لایا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کھوکھلے ہاتھی کے اندر کچھ دیکھ رہا ہو۔ لیکن وہ ہاتھی والا ہاتھ اپنے چہرے کے قریب نہیں لے گیا۔

''ذرا دیکھو تو اس میں کیا ہے؟'' فریدی نے ہاتھی حمید کے چہرے کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔

حمید دیکھنے کے لئے جھکا لیکن سوراخ آنکھ کے بجائے ناک سے جا لگا اور حمید تلملا کر پیچھے ہٹ گیا۔

وہ اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے چھینک روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر دفعتاً اس پر چھینکوں کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

''ارے...... ارے...... آق چھیں......!'' حمید کمرے میں ناچ رہا تھا۔ ''کیا مصیبت...... آق چھیں۔''

انور اور رشیدہ متحیر تھے۔ وہ ہنس تو رہے تھے مگر احمقوں کی طرح۔ حمید برابر چھینکے جا رہا تھا۔

''یہ کیا...... آق چھ...... چھیں چھیں...... ارے۔'' وہ جھلاہٹ میں پیر پٹخنے لگا۔

''میں تمہاری ناک سے دوسرا ہاتھی برآمد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''میں...... ہر...... آق چھیں...... جاؤں چھیں......!'' حمید جھلا کر اپنے منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔

انور اور رشیدہ کبھی اس کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی پیتل کے اس ہاتھی کی طرف۔

''ارے چھیں...... مچھیں...... بچاؤ...... بچھیں......!'' وہ دھڑام سے ناشتے کی میز پر آ رہا۔

''اسے پکڑو۔'' فریدی نے انور سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور نے حمید کو اٹھا کر ایک آرام کرسی پر ڈال دیا۔ اسے اب بھی چھینکیں آ رہی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیر میں سکت نہ رہ گئی ہو۔ سرخ سرخ آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

''اماں یہ کیا ہوا......؟'' انور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی آنکھوں سے بے بسی جھانکنے لگی تھی اور چھینکیں ابھی تک جاری تھیں۔

پیتل کا ہاتھی میز پر پڑا تھا اور رشیدہ جھکی ہوئی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً وہ کچھ اور جھکی اور ہاتھی سے اپنا کان لگا دیا۔

''ارے......!'' وہ اچھل کر میز سے الگ ہٹ گئی۔

''کیا ہوا......؟'' انور چونک کر مڑا۔

''آواز......اس میں سے آرہی ہے۔''

انور تیزی سے میز کی طرف جھپٹا۔ اس نے جھک کر سنا اور احمقوں کی طرح منہ پھاڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''آواز......!'' حمید اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''آؤ......اچھیں......چھیں۔''

اس نے پھر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

فریدی ایک ہاتھ میں سرنج لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''اس میں سے آواز آرہی ہے۔'' انور نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

''حمید کا ہپناٹزم بول رہا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہپناٹزم کی......چھیں......'' حمید نے پھر اپنے منہ پر تھپڑ مارا۔

فریدی نے اس کے بازو میں انجکشن دے دیا۔ حمید کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ لیکن فریدی کے چہرے سے بے اطمینانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ انور نے فریدی کو اس پیتل کے ہاتھی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ فریدی حمید کو چھیڑنے میں مصروف تھا۔

''میں منع کرتا تھا کہ ہپناٹزم کے چکر میں نہ پڑو۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی چھینکیں اب کچھ کم ہو چلی تھیں۔ اس میں اتنی قوت بھی نہ رہ گئی تھی کہ وہ اس ہاتھی سے نکلنے والی آواز پر اپنے چہرے کو متحیر بنا سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے انور کی بات ہنس کر کیوں ٹال دی تھی۔ وہ خود اس ہاتھی کو ایک معمولی سا کھلونا سمجھا

تھا۔ لیکن اس کے اندر سے نکلنے والی وہ تیز قسم کی بو کیسی تھی جس سے اس پر چھینکوں کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اس ہاتھی کے سلسلے میں اسے پچھلی رات یاد آ گئی۔

فریدی اٹھ کر انور اور رشیدہ کے پاس جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد حمید کو چھینکوں سے نجات ملی اور اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ فریدی نے انور اور رشیدہ کو دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اٹھا۔ پیتل کا ہاتھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

''آخر یہ ہے کیا بلا......؟'' انور نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''ایک دلچسپ چیز......!'' فریدی نے کہا۔ ''مگر یہ حمید کو کہاں ملا۔''

فریدی اسے پھر الٹنے پلٹنے لگا اس کے پیٹ میں ایک دوسرا سوراخ تھا۔ جس کا قطر پون انچ ضرور رہا ہوگا اور اس میں لکڑی کا ایک ٹکڑا پھنسا ہوا تھا۔ یہ ٹکڑا بھی گول ہی تھا لیکن اس کی سطح پر کئی ابھرے ہوئے نکیلے نشانات تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی بڑا ٹکڑا رہا ہو اور سوراخ کے پاس سے ٹوٹ گیا ہو۔

فریدی حسب عادت خاموش ہو گیا تھا انور اور رشیدہ کو الجھن ہونے لگی۔

انور تو اس کی عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھا لیکن رشیدہ کو حقیقتاً اس کی خاموشی کھل رہی تھی۔

''آپ نے نہیں بتایا کہ ہے کیا......؟'' وہ بے صبری سے بولی۔

''کسی چھڑی کا دستہ۔'' فریدی نے کہا اور ہاتھی کو میز پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

''لیکن حمید صاحب کو یک بیک چھینکیں کیوں آنے لگی تھیں؟''

فریدی نے پھر ہاتھی کی دم علیحدہ کر کے اس کے نیچے سے نمودار ہونے والے سوراخ کو رشیدہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کی ناک اس سوراخ سے جا لگی تھی۔''

''شاید آپ زیادہ نہیں بتانا چاہتے۔'' رشیدہ شوخی سے بولی اور انور اسے گھورنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کا تذکرہ ہی نہ چھیڑتا۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی۔

فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔

''تم نے اس میں جو آوازیں سنی تھیں اس پر مجھے قطعی حیرت نہیں کیونکہ میں اس کے متعلق پہلے ہی سے تھوڑا بہت جانتا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ حمید کو اس کی شرارت کا مزہ بھی اسی کے ذریعے چکھایا جاسکتا ہے۔''

''تو کیا حمید اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔'' انور نے کہا۔

''اگر جانتا ہوتا تو اپنا چہرہ اس کے قریب کبھی نہ لاتا۔'' فریدی بولا۔

''بہرحال اس کے تین مصرف ہیں۔ یہ کسی چھڑی کا دستہ بھی ہے۔ اسے نسوار دان بھی سمجھا جاسکتا ہے لیکن حقیقتاً یہ ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر ہے۔''

''ٹرانسمیٹر ......!'' انور بے ساختہ اچھل پڑا۔

''ہاں......ٹرانسمیٹر ......پچھلی جنگ میں جاپانی جاسوسوں نے اسے چین ملایا اور انڈیمان میں استعمال کیا تھا۔''

''لیکن آپ نے اسے ٹرانسمیٹر ہی کیسے سمجھ لیا تھا......؟'' رشیدہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ ''اسے بچوں کا کھلونا بھی سمجھا جاسکتا ہے۔''

''کئی وجوہات کی بناء پر'' فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔ ''ایک تو یہ لکڑی کا ٹکڑا...... دوسرا ساؤنڈ پر یہ ابھرا ہوا نوکیلا نشان اس کی چمک دیکھ رہی ہو۔ یہ کرسٹل ہے۔ آواز کی لہروں کا انجذاب اسی کرسٹل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ لہروں کو اندر کی مشین بھی دکھاتا۔ ممکن ہے کھولنے پر یہ کام کا نہ رہ جائے۔''

انور اور رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''یہاں پر اس کی موجودگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے۔'' فریدی تھوڑی دیر بعد خود بخود بڑبڑایا۔

''کہیں اس کا تعلق انہیں لوگوں سے نہ ہو۔'' انور بولا۔

''نہیں......وہ تو نہیں ہوسکتے۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟''

''وہ آوازیں جو میں نے آفس کے ٹرانسمیٹر پر سنی تھیں وہ اس کے لئے قطعی بیکار ہیں۔ یہ صرف اسی ٹرانسمیٹر کی نشر کی ہوئی آوازیں قبول کرسکتا ہے، جو اسی کی ساخت سے مناسبت رکھتا ہو اور ہمارے ٹرانسمیٹروں کے لئے تو یہ بالکل ہی لایعنی ہے۔''

انور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خود بھی کافی ذہین، تیز اور طرار تھا لیکن فریدی کا سامنا ہوتے ہی کچھ اس طرح احساس کمتری کا شکار ہوتا کہ بعض اوقات تو خود کو بالکل ہی احمق تصور کرنے لگتا تھا۔

''مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے۔'' فریدی پھر بولا۔ ''جیسے ملک میں بیرونی جاسوسوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔''

''وہ تو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن فی الحال وہ کسی خاص چکر میں معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ٹرانسمیٹر پر انہیں خاص قسم کے اشارے نشر کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔ خیر چھوڑو ہٹاؤ...... ہاں تو اس ہاتھی نما ٹرانسمیٹر کی بات ہورہی تھی۔ اس کے استعمال کا ڈھنگ بڑا دلچسپ تھا۔ جاپانی جاسوس عموماً مذہبی پیشواؤں کے بھیس میں رہا کرتے تھے اور اس قسم کے ٹرانسمیٹر علانیہ طور پر لئے پھرتے تھے۔ یہ ان کے عصا کے سر پر نصب ہوتے تھے۔ ان میں وہ اپنی نسوار بھی رکھا کرتے تھے اور نسوار سونگھنے کے بہانے مجمع عام میں بھی ان کے ذریعہ بہ آسانی پیغام بازی کرسکتے تھے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے پہلے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔'' انور بڑبڑایا۔ ''تو یہ نسوار ہی تھی جس نے میاں حمید کو چھینکنے پر مجبور کردیا تھا۔''

''یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر اس کے متعلق زیادہ لوگ جانتے ہوتے تو یہ اتنی آزادی سے استعمال نہ کیا جاتا۔''

''تو اس کا مطلب......!''

''مطلب بالکل صاف ہے۔'' فریدی نے پیتل کا ہاتھی اٹھا کر کہا۔ ''اس لکڑی کے ٹکڑے کو دیکھ رہے ہو۔ یہ کتنا صاف شفاف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے چھڑی سے علیحدہ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس لکڑی کے ٹکڑے پر خاصی میل جمع ہوتی۔''

انور نے سر ہلایا۔

''یعنی کوئی حال ہی میں اسے چھڑی کے دستے کے طور پر استعمال کرتا رہا ہے۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر یہ کسی طرح چھڑی سے الگ ہوگیا۔ بہرحال اسے کوئی یہاں بھی آزادانہ طور پر ہی استعمال کرتا رہا ہے۔ ورنہ اسے چھڑی کے سرے پر لگانے کی کیا ضرورت تھی۔''

انور نے پھر سر ہلایا۔

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ''لہٰذا تمہیں اس بات پر افسوس نہ کرنا چاہیئے کہ تم اس قسم کے ٹرانسمیٹر سے پہلے واقف نہیں تھے۔ اس ٹرانسمیٹر کا راز عام نہیں ہے۔ مجھے اس کے متعلق ایک جاپانی جاسوس ہی سے معلوم ہوا تھا، جو اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔''

''تب پھر مجھے واقعی افسوس نہ ہونا چاہیئے۔'' انور مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ایک نوکر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طشتری تھی جس میں ایک ملاقاتی کارڈ رکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کارڈ اٹھا کر پڑھا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

''تمہیں تھوڑی دیر بیٹھنا پڑے گا۔''

''نہیں اب ہم بھی چلیں گے۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''حمید صاحب کو ہوش آنے پر فون کر دیجیئے گا۔ میرے خیال سے کوئی تشویش ناک بات نہیں۔''

''قطعی نہیں۔'' فریدی بولا۔

انور اور رشیدہ چلے گئے۔

شوہر کا بھوت

ڈرائنگ روم میں ایک نوجوان عورت فریدی کا انتظار کر رہی تھی۔ ملاقاتی کارڈ دیکھ کر ہی فریدی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کے شناساؤں میں سے نہیں ہے۔ اس نے لیڈی ہملٹن کی

ہلکی زرد ساری پر سمور دار کالر کا لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔

ساری کا آنچل سر پر تھا۔ لمبی اور گھنیری پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ زیادہ تر نظریں نیچی ہی رکھنے کی عادی ہو۔ کبھی کبھی اسکی نظریں دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

فریدی کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ کھڑی ہوگئی۔

''تشریف رکھئے؟'' فریدی قدرے جھک کر بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی رہی پھر فریدی کو مخاطب کر کے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیا فریدی صاحب بہت زیادہ مصروف ہیں۔''

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ایسا تو نہیں۔''

''کیا وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں گے؟''

''کیوں نہیں......!''

''تو پھر......انہیں اطلاع دے دیجئے۔''

''فرمائیے......میں ہی فریدی ہوں۔''

''اوہ آپ......!'' عورت کے انداز میں استعجاب تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ جو فریدی سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھے اسے بوڑھا ہی سمجھتے تھے۔ یہ عورت بھی شاید اسی خیال میں تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو اس طرح دیکھتی رہی جیسے اسے اس کے بیان پر شبہ ہو۔

''میں نے سنا ہے کہ آپ......؟'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''فرمائیے......!'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ''اس کمرے کی کوئی بات اس کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔''

''میں نے سنا ہے کہ آپ پرائیویٹ طور پر بھی ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔''

''جی ہاں اکثر ایسے اتفاقات بھی ہوئے ہیں۔''

عورت چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بات شروع

کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہو۔

فریدی استفہامیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر ۲۵ اور ۲۸ کے درمیان میں رہی ہوگی۔ چہرہ حد درجہ پرکشش اور متین تھا۔ پیشانی کی ہلکی ہلکی سلوٹیں تمکنت ظاہر کر رہی تھیں۔ رنگ چمپئی تھا۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں اور بوجھل پلکیں عجیب سی کیفیات کی حامل تھیں۔

''آپ نے پروفیسر چودھری کا نام تو سنا ہی ہوگا۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''پروفیسر چودھری۔'' فریدی اپنے ذہن پر زور دینے لگا۔

''ایشیاٹک سائنس کانگریس کے صدر......!'' عورت نے کہا۔

''اوہ جی ہاں۔'' فریدی سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ میرے شوہر ہیں۔''

''اوہ مسز چودھری۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں ذاتی طور پر ان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوں۔ شاید ایک بار وہ اچانک کہیں غائب ہو گئے تھے۔''

''تب سے اب تک لاپتہ ہیں۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''اوہ......!''

''تقریباً چھ ماہ ہونے کو آئے......لیکن......!''

''لیکن کیا......!'' فریدی چونک کر بولا۔

''میں وہی کہنا چاہتی ہوں جس کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔''

فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔

''وہ چھ ماہ قبل اچانک غائب ہو گئے تھے۔'' مسز چودھری مضمحل آواز میں بولی۔ ''میں نے پولیس میں بھی رپورٹ درج کرائی تھی۔ چھ ماہ تک ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا لیکن ادھر کئی دنوں سے......!''

وہ پھر چپ ہو گئی۔

''کہئے......کہئے!''

''ادھر کئی دنوں سے وہ کوٹھی میں دکھائی دیتے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟'' فریدی چونک کر بولا۔

''کافی رات گئے وہ کوٹھی میں ٹہلتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کسی کی ہمت نہیں کہ ان کا سامنا بھی کر سکے۔''

''صاف صاف کہئے۔'' فریدی بے چینی سے بولا۔

''ان کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہوتا ہے۔ اندھیرے میں شعلے کی طرح دہکتا رہتا ہے۔''

''اوہ......!'' فریدی بے چینی سے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

''اکثر وہ میرے قریب سے بھی گزرے ہیں لیکن میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی آنکھیں گردش ہی نہیں کر سکتیں۔''

عورت پھر خاموش ہوگئی۔

فریدی کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

''سارے نوکر خوفزدہ ہو کر کمروں میں جا چھپتے ہیں اور اب تو میں بھی یہی کرنے لگی ہوں۔''

''کتے بھونکتے ہیں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میرے یہاں کتے نہیں ہیں۔'' وہ بولتی گئی۔ ''میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ کیا کروں۔ نوکروں کا خیال ہے کہ چودھری کسی حادثے کا شکار ہو گئے اور یہ انہیں کا بھوت ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔ پہلی رات میں نے ان کے چہرے کی شعلگی کا خیال کئے بغیر انہیں آوازیں بھی دی تھیں۔ لیکن وہ چونکتے تک نہیں۔ نہ ان کی پلکیں جھپکیں اور نہ آنکھوں نے گردش کی۔ میں آپ سے کیا بتاؤں کہ وہ کتنے خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پیروں کے علاوہ ان کا بقیہ جسم پتھر کا ہو۔ چلتے وقت ہاتھ بھی نہیں ہلتے...... میرے خدا۔''

اس نے جھک کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ فریدی کے ماتھے پر سوچ کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

''اچھا وہ غائب کن حالات میں ہوئے تھے۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''اچانک......!'' وہ سر اٹھا کر بولی۔ ''ایک رات وہ اپنے کمرے میں سوئے اور دوسری صبح

کمرے میں نہیں پائے گئے۔''

''ان کا کچھ سامان بھی غائب تھا۔''

''نہیں......میرے علم میں تو کوئی ایسی چیز نہیں جو غائب ہوئی ہو۔''

''کپڑے تو پہنے ہی ہوں گے۔''

''نہیں! ان کے جسم پر وہی سلیپنگ سوٹ تھا جو وہ پہن کر سوئے تھے۔''

''اور سلیپنگ گاؤن......!''

''وہ کمرے ہی میں موجود تھا۔''

''اور آپ نے ان کے غائب ہونے کی یونہی سرسری رپورٹ کردی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اس کے علاوہ اور میں کر بھی کیا سکتی تھی۔ میں نے رپورٹ درج کرادی اور برابر اعلیٰ حکام سے بات بھی کرتی رہی لیکن ہمیشہ یہی جواب ملا کہ تلاش جاری ہے۔''

''ہوں......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''آپ نے انکے دوستوں سے بھی پوچھ گچھ کی ہوگی۔''

''جی ہاں! جتنے میرے علم میں تھے۔''

''اچھا آج کل پیش آنے والے واقعات کی رپورٹ بھی کی آپ نے؟''

''کس طرح کرتی۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آئے۔ ویسے میں خود بھوت پریت قسم کے واہموں کی قائل نہیں۔ میں نے نوکروں کو بھی منع کردیا ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔''

''تو پھر آپ یہاں کیسے آئیں؟''

''پچھلی رات حالات نے دوسری شکل اختیار کرلی اور جب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو آپ کے پاس چلی آئی۔''

فریدی اسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''حالات کی دوسری شکل سے آپ کی کیا مراد ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''پچھلی رات وہ اوپری منزل میں چل رہے تھے۔ میں نیچے تھی۔ تھوڑی دیر بعد نیچے ہال میں اتر آئے اور ہمیں بھاگ کر ایک کمرے میں پناہ لینی پڑی۔ میرے ساتھ میرے تین ملازم

بھی تھے۔ہم نے کمرہ بند کرلیا اور پھر محسوس کیا کہ ہال کی روشنی گل ہوگئی۔ دفعتاً بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ہال میں بہت سے آدمی موجود ہوں۔ایک آدھ چیخیں بھی سنی گئیں۔ہم میں سے کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ سب بھاگتے ہوئے باہر چلے گئے ہوں۔ پھر دو آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں جو کسی عجیب و غریب زبان میں گفتگو کررہے تھے اور دونوں کے لہجوں میں کتوں کی سی غراہٹ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کے سینوں میں منوں بلغم اکٹھا ہو۔ وہ زبان نہ انگریزی تھی نہ جرمن،فرانسیسی بھی نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے یہاں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں سے بھی نہیں تھی۔ پھر کوئی ہال میں گرا۔ ایک چیخ سنائی دی پھر بھاری قدموں کی آوازیں۔ شاید وہ دونوں بھاگ رہے تھے۔اس کے بعد بالکل سناٹا چھا گیا۔ ہم تقریباً آدھ گھنٹے تک اسی کمرے میں رہے پھر باہر نکل آئے۔ ہال میں روشنی کی لیکن اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے یہ دیکھا کہ نہ تو کوئی کرسی اپنی جگہ سے ہلی تھی اور نہ کوئی چیز الٹی تھی۔شیشے اور چینی کے بڑے بڑے گلدان اپنی جگہوں پر بدستور رکھے تھے۔ ہنگامہ اتنا شدید ہوا تھا کہ پورے ہال میں ابتری ہونی چاہئے تھی۔ ہم لوگ جی کڑا کر کے باہر نکلے۔باہر بھی سناٹا تھا۔البتہ پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا دکھائی دیا۔نوکر آگے بڑھتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھی۔ پھر ہم چاروں نے مل کر پائیں باغ کا پھاٹک بند کیا۔ واپسی میں پھر ہمارے دانت خوف سے بجنے لگے۔ چودھری صاحب اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں دکھائی دیئے۔ ان کا چہرہ اندھیرے میں دہکتا ہوا دکھائی دیا اور ان کی آنکھیں ہمیں دیکھنے کے بجائے ٹھیک اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ہم پھر بھاگ کر اندر آ گئے اور ہم چاروں نے ساری رات جاگ کر گزاری۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

عورت تھوڑی دیر تک فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

''اب بتایئے! میں کیا کروں؟''

''میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کیا مشورہ دوں۔''

''کیا میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں۔''

''ہونا تو یہی چاہئے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔''ان کے غائب ہونے سے پہلے ان کا کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔''

''میرے خیال سے تو نہیں۔ وہ بہت زیادہ تنہائی پسند تھے۔ ان کے کسی سے ایسے تعلقات ہی نہیں تھے کہ جھگڑے تک نوبت پہنچتی۔''

''لیکن کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور ہی رہا ہوگا جس سے ان کے زیادہ تعلقات رہے ہوں۔''

''یہ بتانا دشوار ہے۔'' مسز چودھری سوچتی ہوئی بولی۔''لیکن ٹھہریئے۔ یہاں صرف ایک ہی ایسا آدمی ہے جس سے ملنے کیلئے وہ اکثر جایا کرتے تھے اور وہ خود کبھی ہمارے گھر نہیں آیا۔''

''کون......؟''

''علم الاجسام کا ماہر پروفیسر درانی۔''

''اوہ......!''

''وہ اکثر اس کے یہاں جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خود سے کبھی کسی اور سے ملنے نہیں گئے۔ زیادہ تر لوگ انہیں سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔''

''کیا آپ ان غیر ملکیوں میں کسی کے متعلق کچھ بتا سکیں گی؟''

''شاید نہ بتا سکوں۔ کیونکہ مجھے ان کے اس قسم کے ملنے والوں یا ان کے مشاغل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''میرے خیال سے ابھی آپ پولیس کو باقاعدہ طور پر مطلع نہ کریں۔ میں آج کسی وقت آپ کے یہاں آؤں گا۔''

''میں زندگی بھر آپ کی شکر گزار رہوں گی۔''

اس عورت کی عجیب وغریب کہانی ختم ہوتے ہی فریدی پھر اس ہاتھی نما ٹرانسمیٹر کی گتھی میں الجھ گیا۔ فی الحال وہ کوئی اور کیس لینا نہیں چاہتا تھا لیکن اس عورت نے ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ کر دیا تھا کہ وہ دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ یہ پروفیسر درانی کی شخصیت تھی۔ تعلیم یافتہ طبقوں میں اس کا نام بہت عزت سے لیا جاتا تھا۔ لیکن دو ہی چار ایسے خوش قسمت رہے ہوں گے جنہوں

نے اسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اپنی کوٹھی سے شاذونادر ہی نکلتا تھا اور وہ بھی بند گاڑی میں۔ روز روشن میں تو وہ بند گاڑی بھی نظر نہیں آتی تھی اس سلسلے میں اس کے لئے کئی باتیں مشہور تھیں۔ کچھ کہتے تھے کہ وہ اتنا بدصورت اور بے ہنگم ہے کہ پبلک کے سامنے آتے ہوئے شرماتا ہے۔ کچھ کا یہ خیال تھا کہ اسے دن میں کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا۔ زیادہ ذہین لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایسا عجیب وغریب رویہ اختیار کر کے اپنی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال وہ ہر اس شخص کیلئے معمہ تھا جو اسکے متعلق تھوڑا بہت بھی علم رکھتا تھا۔ ویسے سارے ملک میں اسکی ٹکر کا ایک بھی ماہر علم الاجسام نہیں تھا۔

فریدی نے اس کی لیبارٹری کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اس کے پاس قدیم اور جدید حیوانات کے بے شمار ڈھانچے تھے لیکن انہیں بھی شاید دو ہی چار آدمیوں نے دیکھا ہو۔ فریدی انہیں خاص طور سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کا کوئی مناسب حیلہ آج تک ہاتھ نہیں آیا تھا۔

مسز چودھری کو پھاٹک تک پہنچانے کے بعد فریدی مڑا ہی تھا کہ اسے حمید دکھائی دیا۔ جو برآمدے میں کلیجہ تھامے کھڑا تھا اور دو تین نوکر دور کھڑے مسکرا رہے تھے۔ فریدی نے انہیں گھور کر دیکھا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر پوچھا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اسی انداز میں کھڑا آنکھیں پھاڑے پھاٹک کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ''تمہیں نوکروں کا بھی خیال نہیں ہوتا۔''

''نوکر میرے باپ تو نہیں۔'' حمید پلٹ پڑا۔ لیکن پھر مضمحل ہو کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔

''ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا۔''

حمید نے پھر پلٹ کر فریدی کو دیکھا۔ لیکن اس بار اس کی آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا۔ فریدی کو اس کی اس ایکٹنگ پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

حمید ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ ''اے برادر یہ کس گلشن کی کلی تھی۔ کس بحرنا پیدا کنار کا دُرِ خوش آب تھی۔ یہ کون تھی، جو میرے دل کے سمندر کے جوار کو بھاٹا کھلا کر چلی گئی۔''

''آ گئے اوقات پر......!'' فریدی منہ بنا کر بولا۔

''آپ تو پتھر ہیں۔ اگر اسے والد صاحب قبلہ بھی دیکھتے تو زلیخا کی طرح دوبارہ جوانی کی دعا مانگتے۔''

فریدی اس کا گریبان پکڑ کر اسے اندر کھینچ لے گیا۔

''وہ ٹرانسمیٹر تمہیں کہاں سے ملا تھا۔'' اس نے پوچھا۔

''ٹرانسمیٹر ......!'' حمید بوکھلا کر بولا۔ ''کہیں آپ کی عقل اسی کے ساتھ ہی تو نہیں چلی گئی۔''

''بکومت......وہ کھلونا نہیں بلکہ ٹرانسمیٹر ہے۔'' فریدی نے اکتا کر کہا۔

''تو کیا وہ آواز......؟'' حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

''تم نے سنی تھی......؟'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں......جب میں اس مصیبت میں مبتلا تھا تو انور اور رشیدہ نے کوئی آواز سنی تھی۔ میں اسے مذاق سمجھا تھا۔''

''تو کیا اس ٹرانسمیٹر پر چھینکیں براڈ کاسٹ کی جاتی ہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''نہیں وہ ایک تیز قسم کی نسوار تھی جس نے تمہیں چھینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔''

پھر فریدی نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ''تو یہ بلا میں خود ہی اپنے گلے باندھ لایا ہوں۔''

''تمہیں وہ ملا کہاں تھا......؟''

''جگہ کا نام شاید نہ بتا سکوں لیکن جگہ دکھا سکتا ہوں۔ پچھلی رات جب میں نائٹ کلب سے لوٹ رہا تھا تو میں نے اسے راستے میں پڑا پایا تھا......مگر یہ عورت کون تھی؟''

''پھر بتاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم ذرا جلدی سے کپڑے تبدیل کر ڈالو۔''

''آ......اے پیاری شامت۔'' حمید چھت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے کیونکہ تو کسی حال میں میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

نیا انکشاف

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈیلاک پھاٹک کے باہر نکلی۔ حمید فریدی کے برابر بیٹھا بیزاری سے منہ بنا رہا تھا۔

''جان نکلنی شروع ہوگئی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''بیکار تاؤ نہ دلایئے مجھے۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرتے۔''

''یعنی......!''

''اس ٹرانسمیٹر کا چکر چھوڑ کر آپ کو اس بیچاری کی مدد کرنی چاہئے۔''

''شاید تم اس کی پوری کہانی بھول گئے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''میں اب بھوتوں سے نہیں ڈرتا۔ بشرطیکہ وہ کسی عورت کا بھوت نہ ہو۔''

فریدی ہنس کر چپ ہوگیا۔

''باٹم روڈ کی طرف چلئے۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''وہ اب تک میرے ذہن پر چھائی ہوئی ہے۔''

''تمہارا ذہن تو اچھا خاصا کانجی ہاؤز ہے۔''

''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ایک ہزار سال قبل اسے یونان میں دیکھا ہو۔''

''بہت اچھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کیا ابھی حال ہی میں رائیڈر ہیگرڈ کا کوئی ناول پڑھا ہے؟''

''نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ یونان کے کسی قدیم سنگ تراش کا شاہکار معلوم ہوتی ہے۔''

''یار حمید! میرا بھیجا مت چاٹ۔''

''قبلہ محترم میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہو...... ہاں داہنی طرف موڑ لیجئے۔''

''فرمایئے۔'' فریدی نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے کہا۔

''آپ عورتوں سے خوفزدہ ہونا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ آئندہ آپ کے دشمن آپ پر گولی

چلانے کی بجائے عورت پھینکا کریں گے۔"

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"فرض کیجئے۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کہیں سے گزر رہے ہیں اور ایک مجرم آپ کی تاک میں ہے۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر ایک خوبصورت سی عورت سنبھال رکھی ہے جیسے ہی آپ زد پر آئے اس نے عورت پھینک ماری اور آپ چیخ مار کر بیہوش ہو گئے۔ پھر اس نے اطمینان سے آپ کی گردن ریتی اور چلتا بنا۔"

"یار کوئی کام کی بات کر۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"یہ کسی کام چور سے کہیے گا۔" حمید نے کہا۔ "اوہ ٹھیک یاد آیا۔ کیا آپ کسی ایسے مصنف کو بھی کام چور کہیں گے جو انگریزی کے ناولوں کے پلاٹ چرا کر اردو میں ناول لکھتا ہو۔"

"کیوں اسے کیوں کام چور کہیں گے۔"

"بھئی مصنفوں کے کارناموں کو انگریزی میں ورک کہتے ہیں جس کے معنی اردو میں "کام" ہوئے۔ لہٰذا میری دانست میں چور قسم کے مصنفوں کو اردو میں کام چور کہا جاتا ہے۔"

"لیکن تم مصنفوں پر کیوں آ کودے۔"

"اس لئے کہ کہیں وہ کم بخت ٹرانسمیٹر نہ کود پڑے۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس قسم کی چیزیں میرے یا آپ ہی کے ہاتھ کیوں لگا کرتی ہیں۔ کسی اور راہگیر نے اسے کیوں نہیں اٹھایا۔ یہ ٹھوکریں میرے ہی مقدر میں کیوں لکھی ہوئی تھیں۔ پچھلی رات والا حادثہ انور ہی کو کیوں پیش آیا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اسی درمیان میں وہ یہاں تارجام تک کی دوڑ لگایا کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی تذکرہ نویس نے ان واقعات کو لکھا تو لوگ سو فیصدی غپ سمجھیں گے۔"

"بیٹے حمید خاں! اسی قسم کے اتفاقات ہمیں مجرموں تک پہنچاتے ہیں ورنہ ہم ساری زندگی ٹامک ٹوئیے مارتے رہیں۔ سراغ رساں غیب دان نہیں ہوتے۔"

"آخر اس قسم کے لغو اتفاقات پیش ہی کیوں آئیں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ پھر چونک پڑا۔ "روک دیجئے۔"

کیڈی لاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ حمید اتر پڑا۔

''غالباً یہی جگہ تھی۔'' وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''رات اندھیری تھی حمید صاحب۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''میرے پاس ٹارچ تھی ورنہ اس کم بخت پر کیسے نظر پڑتی۔''

''پھر بھی۔'' فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ ''وہ کوئی ایسی عجیب وغریب چیز نہیں تھی کہ تم گردوپیش بھی ٹارچ کی روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا کرتے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے۔'' حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ ''لیکن سامنے والی کوٹھی کے پھاٹک پر رکھے ہوئے پتھر کے شیر اس وقت ٹارچ کی روشنی کی زد میں تھے۔''

''تب ٹھیک ہوسکتا ہے کیونکہ اس سڑک پر ایسے شیر اور کہیں نہیں ہیں۔'' فریدی کوٹھی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر دفعتاً چونک پڑا اور حمید کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ وہ بلبلا اٹھا۔

حمید کبھی فریدی کی غیر متحرک آنکھوں کی طرف دیکھتا اور کبھی کوٹھی کی طرف۔

''کیا یہ شیر پتھر کے نہیں ہیں؟'' حمید بوکھلا کر بولا۔

فریدی اپنی نظریں پھاٹک سے ہٹا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

''حمید! شاید اس بار بھی سہرا تمہارے ہی سر رہے گا۔''

''سہرا......!'' حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ ''لاحول ولاقوۃ......توبہ کیجئے! بھلا آپ کے ساتھ رہ کر سہرے کی نوبت کہاں آئے گی۔''

''ہشت......!'' فریدی نے دبے ہوئے جوش کے ساتھ کہا۔ ''پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ دیکھ رہے ہو۔''

''میری آنکھیں کمزور نہیں ہیں۔ میں پڑھ بھی رہا ہوں۔ پروفیسر بی۔سی چودھری'' حمید نے کہا اور پھر یک بیک اچھل کر بولا۔ ''یہ اسی کی کوٹھی تو نہیں جو ابھی آپ سے ملنے گئی تھی۔''

''تم ٹھیک سمجھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''تو گویا کہ واقعی شامت آگئی۔''

''کیوں؟ تم تو ابھی اس سے ملنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔''

''لیکن اب ان حالات میں نہیں ملنا چاہتا۔''

''کن حالات میں؟'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''آپ اس کے گھر میں ہونے والے ہنگامے اور اس ہاتھی میں کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''تو کیا میں غلطی کر رہا ہوں۔''

''نہیں...... غلطی تو مجھ سے ہوئی کہ اس وبال جان کو ٹھوکر سے ادھر اُدھر کر دینے کی بجائے اپنے ساتھ لیتا گیا۔''

''کیا بکتے ہو۔ آؤ اندر چلیں۔'' فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف لے آیا۔

انہیں دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وزیٹنگ کارڈ ملتے ہی مسز چودھری خود ہی باہر نکل آئیں۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے ان کی غیر متوقع آمد پر حیرت بھی ہے اور خوشی بھی۔

''آیئے...... آیئے...... بہت بہت شکریہ۔''

وہ انہیں ایک وسیع ہال میں لے آئی۔ فریدی کی نظریں زینے کی طرف اٹھ گئیں جو اوپری منزل کی طرف گیلری سے ملحق تھا۔''

''میں سمجھی تھی شاید آپ نے مجھے ٹال دیا۔'' مسز چودھری بولی۔

''آپ غلط سمجھی تھیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''کیا آپ پچھلی رات کو اسی کمرے میں تھیں؟''

''جی ہاں......!'' مسز چودھری متحیر ہو کر بولی۔ ''آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ یہاں کئی کمرے ہیں۔ آپ نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا؟''

''کوئی خاص بات نہیں...... یہ میرا قیاس تھا۔''

''قیاس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔''

''بس یونہی۔'' فریدی نے کہا اور پورے ہال کو متجسس نظروں سے دیکھنے لگا۔

''آپ کی تعریف......؟'' مسز چودھری نے حمید کی طرف اشارہ کیا جو دیا سلائی کا تنکا چبا

رہا تھا۔

''میرے ساتھی سرجنٹ حمید۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''انہیں اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ یہ بھوتوں کے اسپیشلسٹ ہیں۔''

''اوہ...... بڑی خوشی ہوئی۔'' مسز چودھری نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن حمید کے انداز میں سردمہری تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اس وقت حمید سے کوئی بوکھلاہٹ کیوں نہیں سرزد ہوئی۔

''تو آپ لوگ لنچ میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''اسکی ضرورت نہیں'' فریدی بولا۔ ''پھر کبھی! ہم لوگ فی الحال بہت زیادہ مصروف ہیں۔''

''میں نہیں مان سکتی۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''آپ کی مرضی......!'' حمید جلدی سے بولا۔

''میں ابھی حاضر ہوئی۔'' مسز چودھری نے کہا اور ہال سے چلی گئی۔

''یہ کیا حرکت...... میں تو ٹال رہا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''میں بھوتوں کا اسپیشلسٹ ہوں نا۔'' حمید نے دیدے پھرا کر کہا۔ ''اور آپ اسی مقصد کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں لہٰذا میں نے جو کچھ مناسب سمجھا کیا۔''

''چغد ہیں آپ اچھے خاصے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اگر آپ میرا چغد پن بھی ملاحظہ فرمانے کے موڈ میں ہوں تو اب کی بحیثیت چغد متعارف کرادیجئے۔''

''بکومت......!''

''نہیں بکوں گا...... لیکن یہ بتایئے کہ آپ نے خصوصیت سے اسی کمرے کے متعلق کس بناء پر کہا تھا۔''

''تم واقعی چغد ہو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اتنا نہیں دیکھ سکتے کہ صرف اسی کمرے کے دروازے کی چٹخنی اس طرف ہے۔ دوسرے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں شاذونادر ہی کھولا جاتا ہوگا۔ اس دروازے کا پردہ سرکا ہوا ہے جس کا مطلب

یہ ہے کہ دروازہ باقاعدہ استعمال ہوتا ہے۔''

''میں اتنی ذرا ذرا سی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔'' حمید منہ بگاڑ کر بولا۔

''اسی لئے ہر موقع پر چغد ہو جاتے ہو۔''

''چغد کے ساتھ سلمہ ضرور استعمال کیا کیجئے۔ ہاں اُلو کے لئے اس کی قید نہیں کیونکہ وہ عموماً کسی کا ماتحت نہیں ہوا کرتا۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مسز چودھری واپس آ گئی۔

''چودھری صاحب کی لیبارٹری تو بڑی شاندار ہوگی۔'' فریدی دفعتاً اسکی طرف مڑ کر بولا۔

''جی ہاں...... کیا آپ دیکھیں گے؟''

''میں پوری کوٹھی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

نچلے کمروں کو دیکھتے ہوئے وہ بالائی منزل پر آئے۔ یہیں پروفیسر چودھری کی شاندار لیبارٹری بھی تھی جہاں چاروں طرف بڑی بڑی میزوں پر شیشے کے آلات رکھے ہوئے تھے۔ دو ایک مختلف النوع مشینیں بھی نظر آئیں۔ ان میں چھ ہارس پاور کا ایک انجن بھی تھا۔

''میرے خیال سے پروفیسر کے غائب ہونے کے بعد سے یہاں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہوگی۔''

''نہیں! لیکن اکثر میں ان آلات کی صفائی اور دیکھ بھال کرتی رہتی ہوں۔''

''پچھلی بار آپ نے ان کی صفائی کب کی تھی؟''

''شاید ایک ہفتہ قبل......!''

''اس کے بعد سے انہیں کسی نے نہیں چھوا......!''

''نہیں۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔ ممکن ہے نوکروں میں سے کسی نے چھوا ہو۔''

''مجھے اس کی توقع نہیں۔'' مسز چودھری بولی۔

فریدی جیب سے محدب شیشہ نکال کر آلات کا معائنہ کرنے لگا۔ دفعتاً وہ تھوڑی دیر بعد مڑا۔

''قریب آئیے۔'' فریدی نے مسز چودھری سے کہا۔

پھر وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محدب شیشے کی مدد سے اس کی انگلیاں دیکھنے لگا۔

مسز چودھری کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور چہرہ ایسا ہوگیا تھا جیسے کسی نے سرخ رنگ کی پچکاری ماردی ہو۔

حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ البتہ فریدی کا چہرہ کسی پرسکون جھیل کی سطح کی طرح سپاٹ تھا۔

''ذرا اپنے تینوں نوکروں کو بھی بلایئے۔'' فریدی نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو دیکھ لینے کی بعد کہا۔

مسز چودھری کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔

''ٹھہریئے۔'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''پچھلی رات آپ نے مسٹر چودھری کو کس کھڑکی میں دیکھا تھا......؟''

مسز چودھری نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اس کی چوکھٹ کو غور سے دیکھ رہا تھا اور مسز چودھری اسے گھور رہی تھی۔

''نوکروں کو بلا لیجئے۔'' اس نے سر اٹھا کر کہا اور پھر اس کی نظریں محدب شیشے پر جم گئیں۔

مسز چودھری نے کسی نوکر کو آواز دے کر سبھوں کو اوپر لانے کو کہا۔

فریدی نے نوکروں کے ہاتھ بھی دیکھے اور انہیں رخصت بھی کردیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

''آپ کو یقین ہے کہ انہیں کسی نے نہیں چھوا۔''

''مجھے یقین ہے......لیکن ٹھہریئے۔ میں صرف اپنی اور نوکروں کی ذمہ داری لے سکتی ہوں۔''

''فون تو ہوگا ہی آپ کے یہاں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.!''

''حمید......!'' فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''فنگر پرنٹ کے فوٹو گرافر کو یہاں آنے کے لئے فون کردو۔''

حمید مسز چودھری کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ فریدی کھڑکی سے پائیں باغ میں جھانک رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں واپس آگئے۔ مسز چودھری کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

''کیا اوپری منزل اس وقت تک کے لئے مقفل کی جاسکتی ہے جب تک کہ ہمارے فوٹو

گرافرنہ آجائیں۔'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں......!''

''بہتر ہے......آپ کو تکلیف تو ہوگی۔''

تھوڑی دیر بعد وہ ہال میں بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں کرر ہے تھے۔ اس دوران میں حمید نے کئی بار مسز چودھری کو بے تحاشہ ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''پروفیسر درانی کے متعلق آپ کیا جانتی ہیں؟'' فریدی نے اچانک پوچھا۔

''میں کیا بتا سکتی ہوں جب کہ میں نے آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔''

''پروفیسر چودھری سے اس کے متعلق کچھ سنا تو ہوگا۔''

''سننے کو تو بہت کچھ سنا ہے۔''

''آخر وہ پبلک کے سامنے کیوں نہیں آتا۔''

''شاید اپنی بدصورتی کی بناء پر۔ وہ بہت ہی بے ڈول آدمی ہے۔ چودھری صاحب کا کہنا تھا کہ کوئی اسے دیکھ کر اپنی ہنسی روک ہی نہیں سکتا۔ اکثر یونیورسٹی کے طلباء اس سے درس لیتے ہیں لیکن انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔''

''بھلا وہ کیسے؟'' حمید نے ہمہ تن اشتیاق بن کر پوچھا۔

''اس کی لیبارٹری میں لاؤڈ اسپیکر فٹ ہے۔ طلباء وہاں بیٹھتے ہیں اور وہ اپنے کمرے سے بیں درس دیتا ہے۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی سوال کرنا ہو تو اس کیلئے ٹیلی فون استعمال کیا جاتا ہے۔''

''لیکن کبھی تو وہ باہر نکلتا ہی ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں! چودھری صاحب سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ادھر دس بارہ سال سے گوشہ نشین دگیا ہے۔ اس سے پہلے وہ اتنا بے ہنگم نہیں تھا۔ جوانی کے زمانے میں وہ خاصا سوشل آدمی تھا۔''

''وہ تنہا ہی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں اس کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اسے میں نے دیکھا ہے، بڑی بھولی ہے۔ لیکن اس ے گھر کے گھٹے گھٹے سے ماحول نے اسے بھی نیم خبطی بنا دیا ہے۔ ایک بار وہ چودھری صاحب ے ہمراہ یہاں آئی تھی۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لنچ کیلئے گانگ بجا اور وہ تینوں ڈرائنگ روم کی طرف چلے گئے۔

لنچ کے دوران میں فریدی نے مسز چودھری سے پوچھا۔

''چودھری صاحب غائب ہونے سے کچھ دن قبل کسی غیر ملکی سے ملے تھے؟''

''مجھے یاد نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان سے ملنے کے لئے جتنے بھی لوگ آتے تھے وہ عموماً خشک طبیعتوں کے ہوا کرتے تھے اس لئے میں ان کا نوٹس ہی نہیں لیتی تھی اور نہ کبھی چودھری صاحب نے مجھے اس پر مجبور کیا۔''

''ویسے تو چودھری صاحب بھی خشک آدمی رہے ہوں گے۔'' حمید نے کہا۔

''قطعی نہیں...... گھریلو زندگی میں وہ قطعی خشک نہیں تھی۔''

''عجیب بات ہے۔'' حمید بولا۔

''ہم دونوں قطعی متضاد طبیعتوں کے مالک تھے۔'' مسز چودھری غمگین آواز میں بولی۔ ''انہیں سائنس سے پیار تھا اور مجھے آرٹ سے...... لیکن ہم دونوں کے یہ مختلف رجحانات کبھی بنائے مخاصمت نہیں بنے۔ میں ان کی لیبارٹری سے اٹھنے والی بدبوؤں پر جھلایا کرتی تھی لیکن انہوں نے میری بنائی ہوئی تصاویر کو ہمیشہ قدر اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔ اکثر وہ میری تصاویر کے موڈل بھی بنے ہیں۔ وہ مجھ سے آرٹ پر اسی انداز سے بحث کرتے تھے جیسے وہ خود بھی ایک اچھے آرٹسٹ اور میرے ہم ذوق ہوں۔''

''آپ مصور بھی ہیں۔'' حمید اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تمہارے یہاں بھی تو تارا چودھری کا ایک شاہکار موجود ہے۔ وہ وینس کی تصویر۔''

''اوہ......تارا چودھری آپ ہی ہیں۔'' حمید متحیر ہوکر بولا۔

لیکن فریدی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی یہ حیرت قطعی مصنوعی تھی۔ اسے بھلا اس سے کیا غرض ہوسکتی تھی کہ اس عورت کا سوشل اسٹیٹس کیا ہے۔ وہ تو ہر عورت کو صرف عورت سمجھتا تھا۔ اور بس۔

''تو وہ تصویر آپ نے خریدی تھی۔'' مسز چودھری نے مسکرا کر فریدی سے پوچھا۔

''جی ہاں...... پوری گیلری میں مجھے صرف وہی تصویر پسند آئی تھی اور نمائش کے افتتاح

ہی کے دن میں نے اسے خرید لیا تھا۔ لیکن وہ آخر تک گیلری میں لگی رہی۔ بعد کو پتہ چلا کہ اول انعام اسی تصویر کو ملا تھا۔"

"اس میں کیا بات پسند آئی تھی آپ کو......؟"

"رنگوں کا امتزاج! جو چہرہ آپ نے پینٹ کیا تھا اس کی پس منظر کے لئے اداس شام کا انتخاب اور اس اداسی کے اظہار کے لئے مناسب رنگوں کا استعمال اور وہ چہرہ صحیح معنوں میں کلاسیکی حسن کا حامل تھا۔"

"فریدی صاحب! آپ کے اندر کس کہنہ مشق مصور کی روح موجود ہے۔" مسز چودھری سے تعریفی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "وہ دراصل پروفیسر درانی کی لڑکی عامرہ کا چہرہ تھا۔ اس لئے میں نے اسی کو موڈل بنایا تھا۔"

لنچ ختم کرنے کے بعد وہ پھر ہال میں آبیٹھے۔

تھوڑی دیر بعد فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافر بھی آگئے اور لیبارٹری میں تصویریں لینے کا م شروع ہوگیا۔ مختلف قسم کے آلات کی تصویریں لی گئیں۔ اس کھڑکی کی چوکھٹ کی تصویر بھی لی ٔ جس میں پچھلی رات کو پروفیسر چودھری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔

مسز چودھری ان ساری مشغولیات کو حیرت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

چلتے وقت فریدی نے اس سے کہا۔ "اب آپ کوتوالی میں رپورٹ کر دیجئے کہ کچھ نامعلوم کافی رات گئے آپ کی کوٹھی میں گھس کر آپ کے آرام میں مخل ہوتے ہیں اور وہ کوششوں باوجود بھی ابھی تک نہ تو پہچانے جاسکے ہیں اور نہ پکڑے جاسکے ہیں......اور ان کی اس ؛نگ کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

فوٹو گرافر جا چکے تھے۔

واپسی میں فریدی پھاٹک کے قریب پوپی رکسڈ کی کیاری میں جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر اس نے ننھے ننھے پودوں میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک لمبی سی چھڑی کو ل انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جس پر پالش نہیں تھی لیکن اس کی سطح بڑی نفاست کے ساتھ ہموار تھی...... بالکل سپاٹ اور چکنی...... پالش نہ ہونے کے باوجود بھی اس میں چمک تھی۔"

فریدی مسز چودھری کی طرف مڑا۔

''کیا میں اسے لے سکتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''شوق سے۔'' مسز چودھری نے قہقہہ لگایا۔

لیکن فریدی کی سنجیدگی دیکھ کر فوراً ہی سنبھل گئی۔

فریدی کی کیڈی لاک جا چکی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک پھاٹک کے قریب کھڑی کچھ سوچ رہی تھی

گارساں

''اب آفس میں چل کر سر کھپایئے۔'' حمید منہ بگاڑ کر بڑبڑایا۔

''نہیں فی الحال آفس نہیں جائیں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر یہ ٹوٹی پھوٹی چھڑی...... شرم نہیں آتی۔''

''گھر چل کر بتاؤں گا کہ شرم کیوں نہیں آتی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''اوہ...... تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر۔''

''چل کر دیکھیں گے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''لکڑی کی ساخت تو یہی بتاتی اور اس کا سرا بھی ٹوٹا ہوا ہے۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

''آلات پر آپ نے جو نشانات دیکھے تھے......!''

''وہ مسز چودھری اور اس کے نوکروں کی انگلیوں کے نہیں تھے۔''

''تو پھر اس بھوت کے ہو سکتے ہیں...... آخر اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

''فی الحال کچھ بھی نہیں...... لیکن اس کی یہ حرکت حیرت انگیز ضرور ہے۔ چھ ماہ قبل اچا

غائب ہوگیا اور اب بھوت بن کر نمودار ہوا ہے......دوسری چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ وہ سلیپنگ سوٹ ہی پہنے ہوئے غائب ہوگیا تھا حتیٰ کہ گاؤن بھی نہیں پہنا تھا......اور اب اگر وہ ہاتھی اس لکڑی پر فٹ ہو جاتا ہے......تو......حمید صاحب! بس یہ سمجھ لیجئے کہ مزہ آ جائے گا۔"

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"خیریت......؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مزہ آ رہا ہے۔" حمید نے کہا اور سیٹی بجانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پروفیسر درانی سے کب مل رہے ہیں؟"

"ضروری نہیں کہ اس سے ملا ہی جائے۔"

"آپ ملئے یا نہ ملئے......میں تو ملوں گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"میں وینس کی اس تصویر کو گوشت و پوست میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"یار تم آدمی ہو یا آدم خور۔"

"فی الحال میں بہت شدت سے بور ہوں۔" حمید ڈرامائی انداز میں بولا۔ "جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ وینس کا موڈل وہی تھی۔ کیا نام بتایا تھا اس نے ...... عامرہ...... نام بھی بڑا خوابناک ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں برسوں سے یہ نام سنتا آیا ہوں۔ میں نے کئی بار سوچا ہے کہ میں وینس کی اس تصویر کو چوم لوں مگر وہ کافی اونچائی پر لگی ہوئی ہے۔ ایک بار سیڑھی لا رہا تھا کہ کتے بھونکنے لگے۔"

"بکو نہیں۔" فریدی بیزاری سے بولا۔

"تو پھر کیا کروں؟"

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"سامنے......دیکھئے سامنے۔ کہیں جہنم میں نہ پہنچا دیجئے گا۔"

واقعی سڑک پر ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ ذرا سی غلطی انہیں دوسری دنیا میں پہنچا سکتی تھی۔

فریدی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔ کیونکہ اسی حصے کے ایک کمرے میں تارا چودھری کی بنائی ہوئی تصویر آویزاں تھی۔ وہ بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ تصویر یا اس لڑکی سے کوئی دلچسپی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن وہ اس وقت فریدی کو تاؤ دلانے کے لئے ایسا کر رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس ماہ میں ایک یا دو ہفتے کی چھٹی لے کر کہیں باہر چلا جائے گا۔ لیکن یہ ٹرانسمیٹر والا معاملہ بیچ میں آ کودا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کی گلوخلاصی ناممکن تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک نوکر اسے تلاش کرتا ہوا وہاں آ پہنچا۔

فریدی اپنے سونے کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے؟'' فریدی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

''آپ کے پاندان کے لئے ڈلیاں کتر رہا تھا۔'' حمید نے ناک پر انگلی رکھی اور لچک کر بولا۔ لیکن اس کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔

''او سُوّر......!'' فریدی نے اٹھ کر اسکا گریبان پکڑلیا۔ ''ہزار بار منع کیا کہ زنخوں کی طرح......!''

''صحبت کا اثر......!'' حمید جلدی سے بولا۔

''گٹ آؤٹ......'' فریدی چیخا۔

''شکریہ......!'' حمید بھی اسی انداز میں چیخ کر باہر چلا گیا۔ اس کے سونے کا کمرہ فریدی کے سلیپنگ روم سے ملحق تھا۔ وہ بھی اپنے پلنگ پر بیٹھ کر جوتے کے بند کھولنے لگا۔ حمید جانتا تھا کہ آج رات اسے جاگنا بھی پڑے گا اور سردی بھی کھانی پڑے گی۔ بھلا فریدی اس بھوت کے درشن کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج خلاف معمول اس وقت اپنے سونے کے کمرے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو اس ٹرانسمیٹر کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کی خواہش ضرور تھی لیکن وہ نہ جانے کیوں اس وقت فریدی کو تنگ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس چھڑی کا کیا ہوا۔ ٹرانسمیٹر اس پر فٹ ہوا یا نہیں۔

اس نے غیر ارادی طور پر اٹھ کر ریڈیو کھول دیا۔ بی بی سی سے مغربی موسیقی براڈ کاسٹ ہو رہی تھی۔ دفعتاً اسے شرارت سوجھی اور اس نے اچھل اچھل کر انگریزی میں گانا شروع کر دیا۔

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا......

ہو ہا......ای......او......ای

او پیارا ابابیل لوگ تم اڑ جارہا ہے

ہم کو بھی سنگ لے جائے گا کہ نہیں

نیلے آسمان میں اوپر چڑیا لوگ بھی اڑتا ہے

مگر ہم سالا اُلو کا پٹھا......اود بلا ہے

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا......

ہو ہا......ای......او......ای

ای......او......ای

بطخ اپنے بچے کو دودھ پلا رہا ہے

اونٹنی انڈے دے رہا ہے

پیاری اور پیارا شاہ بلوط کے درخت پر چونچ ملا رہا ہے

گھاس کُکر متے کو چومتا ہے

ہم سالا بالکل اکیلا ہے

بیوی بچے کو ترس جائے گا

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا

ہو ہا......او......ای......او

فریدی دروازے میں کھڑا بے بسی سے ہنس رہا تھا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو......؟''

''ایک ہفتے کی چھٹی......ای......او......ای''

''شٹ اپ......!''

''ای......او......ای۔''

فریدی نے آگے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حمید کو اس پر قطعی تاؤ نہیں آیا۔ وہ اس کی گرفت سے نکل کر پھر ہلڑ مچانے لگا۔ نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔

فریدی اسے سنجیدگی سے گھورتا رہا۔ پھر ہونٹ پھیلا کر بولا۔ ''تمہیں چھٹی مل جائے گی۔'' اور کمرے سے چلا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا مسکراتا رہا۔ شاید اب اسے نئی شرارت سوجھی تھی۔ وہ بھی چپ چاپ اپنے کمرے سے نکل کر فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی لیٹنے ہی جا رہا تھا کہ حمید نے اس کے سرہانے کی گول میز پر سے پیتل کا ہاتھی اٹھالیا اور دیوار سے ٹکی ہوئی چھڑی کے سرے پر اسے فٹ کرنے لگا۔

فریدی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ہاتھی کے پیٹ میں پھنسے ہوئے لکڑی کے ٹکڑے کا ایک ایک ریشہ چھڑی کے ناہموار سرے پر ٹھیک بیٹھا تھا۔

حمید نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔ وہ دراصل فریدی کی نقل کر رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اسی کے مخصوص انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ باوا آدم کا عصائے پیری ہے۔'' حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''ہابیل اور قابیل کی جنگ کے بعد اس پر ابابیل نے قبضہ کرلیا تھا۔''

فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

حمید نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور آگے کی طرف جھکتے ہوئے دانت پر دانت جما کر کہنے لگا۔ ''جب آپ ہنستے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دور کسی ویرانے کے ایک چھوٹے سے مندر میں چاندی کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ جیسے کہکشاں کی ساری لڑیاں چھن چھن کرتی ایک دوسری سے ٹکراتی سنگ مرمر کے فرش پر آ گری ہوں۔''

''جیسے تمہاری عقل......!'' فریدی نے کہا۔ ''کسی ویرانے میں گھاس چر رہی ہو......زیادہ بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔''

''تو جناب والا میں آپ کی طرح بھس تو نہیں ہوسکتا۔ خدا نے اچھا کیا کہ آپ کو عورت بنا کر مرزا غالب کے زمانے میں نہیں پیدا کیا ورنہ وہ پیشہ آبا کو شاعری پر ترجیح دیتے اور آج مجھے اس حیرانی کا موقع نصیب نہ ہوتا کہ دل کو روؤں کی پیٹوں جگر کو میں۔''

''بک چکے......؟''

''جی ہاں!''

''تو جا کر سو رہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کی آخری نیند ہو۔''

فریدی نے کہا اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے یہ بات مذاق میں نہیں کہی۔ حمید بھی یک بیک سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''جاؤ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے آخری قہقہے رہے ہوں۔'' فریدی نے پھر کہا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' حمید آہستہ سے بولا۔

''مقابلہ ایسے آدمی سے ہے کہ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔''

''یعنی......!''

فریدی نے وہ چھڑی حمید کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے نیچے لگی ہوئی لوہے کی سلاخ کو جھٹکا دیا۔ پھر چھڑی کا اوپری حصہ حمید کے چہرے کے قریب لے گیا۔

''پڑھو......!'' وہ آہستہ سے بولا۔

چھڑی کے اوپری حصے کی سطح پر مستطیل کی تھوڑی سی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔

''گارساں......!'' حمید جھک کر بڑبڑایا۔ پھر سیدھا ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ نام سنا ہے کبھی۔''

''سنا تو ہے لیکن......!''

''اس کے متعلق کچھ جانتے نہیں۔'' فریدی بولا۔ ''یہ دنیا کا خوفناک ترین آدمی ہے۔ پچھلی [...]ک میں جزائر انڈمان میں جاپانیوں کا داخلہ اسی کے دم سے ہوا تھا۔ چین کے بعض اہم مقامات [...]ی کی بدولت نکل گئے تھے۔ بعد کو اس نے جاپانیوں کو بھی چرکا دیا اور اتحادیوں سے جا ملا۔ پھر [...]ادیوں کو بھی ایک زبردست چوٹ دے کر روپوش ہو گیا تھا۔ بہر حال آج ساری دنیا کی حکومتیں [...]ی بات پر متفق ہیں کہ وہ جہاں دکھائی دے اسے گولی مار دی جائے۔''

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا فرانس کا باشندہ ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں......!''

''لیکن نام تو فرانسیسیوں ہی جیسا ہے۔''

''تم اسے فرنچ انڈو چائینیز کہہ سکتے ہو۔اس کا باپ انڈو چائینیز تھا اور ماں فرانسیسی تھی۔ پیدائش انڈو چائنا میں ہوئی تھی۔''

''اور موت شاید ہمارے یہاں ہوگی۔'' حمید بولا۔

''ایسا نہ کہو...... یہ وہ شخص ہے جس کی دشمن ساری دنیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اب تک نہ تو آسمان پر رہا ہوگا اور نہ تحت الثریٰ میں......لیکن آج تک کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔''

''لیکن پروفیسر چودھری کی کوٹھی سے اس کا کیا تعلق......؟'' حمید نے کہا۔

''یہی تو دیکھنا ہے۔'' فریدی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ حمید کو اس کی فکر مندی میں تھوڑی بہت سراسیمگی بھی نظر آ رہی تھی۔

''لیکن میں اسے اس لئے ڈھیل نہیں دے سکتا'' فریدی خود بخود بڑبڑایا۔ ''کہ اس کا اور چودھری کی کوٹھی کا تعلق معلوم کروں۔ اگر وہ نظر آ گیا تو......''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر بولا۔

''مسز چودھری نے پچھلی رات کو دھینگا مشتی کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ اگر وہ وہاں موجود تھ تو انتہائی سراسیمگی کی حالت میں وہاں سے بھاگا ہے۔''

''کیوں......؟''

''اس کا ثبوت وہاں اس ٹرانسمیٹر کی موجودگی ہے۔ وہ اتنا بدحواس تھا کہ ایسی چیز وہاں چھوڑ گیا جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی تھی۔''

''ممکن ہے...... چودھری کا بھوت......!'' حمید بولا۔

''لیکن چودھری کا بھوت کیا بلا ہے؟''

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو......آفس آف دی نیو اسٹار......ذرا انور صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔'' وہ تھوڑی د تک خاموش رہا پھر بولا۔

''ہیلو انور!...... میں بول رہا ہوں......فریدی...... ہاں......حمید بالکل ٹھیک ہے......

ایک کام ہے...... تم کبھی پروفیسر درانی سے ملے ہو؟ ...... وہی ماہر علم الاجسام...... جو پبلک میں نہیں آتا...... خیر مجھے اسی کی توقع تھی...... اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے...... اور میں بھی انہیں میں سے ہوں۔ ہاں تو اس سے ایک انٹرویو لینے کی کوشش کرو...... لیکن خیال رہے کہ وہ تمہیں ٹیلی فون ہی پر نہ ٹال دے...... عموماً پریس رپورٹروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا ہے...... اندر گھسنے کی کوشش کرنا...... میں اس کے متعلق جاننا چاہتا ہوں...... بہر حال تم اس سے بہ نفس نفیس ملو گے...... موضوع...... موضوع بہتیرے ہیں...... اچھا چلو موضوع بھی بتائے دیتا ہوں...... ابھی حال ہی میں برازیل کی پہاڑیوں میں کسی قدیم جانور کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا ہے...... ساخت کے اعتبار سے وہ ایک ہاتھی سے بھی بڑے کنگاروں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا ہے...... تم اسی کے متعلق اس کی رائے لے سکتے ہو...... بہر حال کوشش کرو...... اگر کامیابی ہوگی تو خیر...... ورنہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا...... مجھے یقین ہے کہ تم اسے دیکھ کر اس کے کردار کے متعلق بہت کچھ بتا سکو گے...... اچھا۔''

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

''کیوں کیا یہ کام میں نہیں کر سکتا تھا......؟'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

''تمہارے بس کا نہیں۔''

''میں دکھادوں گا۔''

''بس بس میری مرضی کے بغیر کسی کام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ نتیجے کے تم خود ذمے دار ہو گے۔''

''آپ مجھ پر انور کو ترجیح دیتے ہیں۔''

''اماں کہہ دیا ایک بار کہ یہ کام تم نہ کر سکو گے۔ تم رپورٹروں کے ٹیکٹ سے واقف نہیں۔''

''خیر ہوگا، مجھے کیا کرنا ہے۔''

''تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ فی الحال جا کر سو جاؤ۔''

''زبردستی سو جاؤں......؟''

''کیا تم کل تین بجے تک جاگتے نہیں رہے؟''

''یقیناً جاگتا رہا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس وقت نیند آ ہی جائے۔''

''بلاؤ اسے۔'' فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ ''ورنہ اگر آج رات تم نے نیند کا نام لیا تو خیریت نہ سمجھو۔''

''آپ کے ساتھ کبھی خیریت رہ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ بھی مؤنث ہے۔''

''پھر آ گئے اسی مؤنث مذکر پر۔ یار میں تیرا سر کہاں دے ماروں۔''

''کسی نرم و لطیف سینے پر۔''

''دور ہو جاؤ۔'' فریدی نے اس کی گردن میں ہاتھ دے کر اسے کمرے سے باہر نکال دیا۔

حمید اپنے کمرے میں چلا آیا۔ حقیقتاً اسے نیند پریشان کئے ہوئے تھی۔ سر میں ہلکا ہلکا درد بھی ہونے لگا تھا۔ لیکن کل رات سے اب تک اتنے تحیر انگیز واقعات پیش آئے تھے کہ اس کے ذہن کی یکسوئی ہی رخصت ہو گئی تھی۔ لہٰذا ایسی حالت میں سو جانا کافی مشکل تھا۔

کسی نہ کسی طرح اسے نیند آ ہی گئی۔

آہنی گرفت

کرائم رپورٹر انور سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر فکرمندانہ انداز میں رشیدہ کی طرف مڑا جس کی انگلیاں برق رفتاری کے ساتھ ٹائپ رائٹر کے بورڈ پر دوڑ رہی تھیں۔

رشیدہ اور وہ دونوں ابھی تک نیو اسٹار ہی کے دفتر میں کام کر رہے تھے۔ عرصہ ہوا رشیدہ کے راز[1] سے پردہ اٹھ چکا تھا اور وہ دونوں اب بھی بہترین دوستوں کی طرح ایک ساتھ رہتے تھے۔ کئی بار ان کے بعض ہمدردوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا اور رشیدہ راضی بھی ہو گئی لیکن انور

---

[1] جاسوسی دنیا کا ستائیسواں ناول ''بھیانک جزیرہ'' جلد نمبر پانچ ملاحظہ فرمایئے۔

نے صاف انکار کر دیا۔ ان دونوں میں اکثر اب بھی نہ صرف لڑائی جھگڑے بلکہ دھول دھپے کی بھی نوبت آ جاتی تھی۔ مگر یہ چیز دوستانہ شکر رنجی سے آگے نہ بڑھتی۔

''کچھ سوچا تم نے؟'' انور اسے گھور کر بولا۔

''ہاں......!'' رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

''کیا......؟''

''یہی کہ اس بار پھر قرض لے کر کام چلانا پڑے گا۔''

''میں پروفیسر درانی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔'' انور جھلا کر بولا۔

''اوہ......!'' رشیدہ معصومیت سے بولی ''اس کے متعلق میں نے یہ سوچا ہے کہ وہ واقعی ایک ماہر سائنسدان ہے۔''

''چانٹا تو نہ کھاؤ گی۔''

''میرا گھونسہ ہضم کر سکو گے۔''

''رشو میں سچ مچ تھپڑ مار دوں گا۔''

''میں تمہاری گال کانوں تک پھاڑ دوں گی۔''

انور تھوڑی دیر تک اسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ٹہلنے لگا۔

''اچھا ٹائپ کرو۔'' کچھ دیر بعد پھر وہ رشیدہ کی طرف مڑا۔

''کر تو رہی ہوں۔''

''یہ شیٹ نکال دو اور جو میں کہوں وہ ٹائپ کرو۔''

رشیدہ نے ناک بھوں سکوڑ کر وہ شیٹ الگ کر دیا اور دوسرا شیٹ چڑھانے لگی۔

''ڈیئر مسٹر انور......!'' وہ بولنے لگا۔ ''حالانکہ مجھے تمہاری برادری اور تمہارے پیشے سے سخت نفرت ہے اور میں نے آج تک کسی رپورٹر کو منہ نہیں لگایا لیکن میں تمہیں یہ شرف بخشنے کے لئے تیار ہوں...... برازیل کے پہاڑوں میں جو ڈھانچہ پایا گیا ہے اس کے متعلق اخبارات میں مضحکہ خیز قسم کی خیال آرائیاں نظر آ رہی ہیں اور میں کئی دنوں سے اپنے ملک کے جاہل لوگوں کی عقلوں پر ماتم کر رہا ہوں۔ لہٰذا میں تمہیں یہ عزت بخشنا چاہتا ہوں کہ تمہارے اخبار کے لئے اس

کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں آج پانچ بجے شام کو مل سکتا ہوں۔"

انور خاموش ہو گیا اور رشیدہ سر اٹھا کر تحیر آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس کا کیا مطلب......؟"

"شیٹ نکال دو۔" انور نے کہا۔ رشیدہ نے شیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ انور اسے پڑھتا رہا۔ پھر اس نے اس کے نیچے فاؤنٹین پن سے پروفیسر درانی کے دستخط کر دیئے۔

"کیوں شامت آئی ہے۔" رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ وہ بعض اوقات ہاتھا پائی تک اتر آتا ہے۔"

انور رشیدہ کی بات کا جواب دیئے بغیر ٹیلی فون کی طرف مڑا۔

"ہیلو......!" وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "پروفیسر صاحب......نہیں سیکریٹری نہیں.....ڈائرکٹ کنٹیکٹ....پروفیسر صاحب....میں انور بول رہا ہوں....عزت افزائی کا شکریہ......لیکن میں فون پر انٹرویو نہیں لوں گا......میں آپ کے سامنے بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

اور پھر اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور اپنا کان سہلانے لگا۔

"میں سمجھ گئی......!" رشیدہ نے قہقہہ لگایا۔ "لیکن یہ نہ بھولو کہ ابھی تمہارے سر کے زخم کے کناروں پر بھی کھرنڈ نہیں جمی۔"

انور پھر کچھ نہ بولا۔

"تمہاری مرضی......!" رشیدہ پھر ٹائپ کرنے لگی۔ "لیکن اگر تمہارے منہ کا ایک بھی دانت کم ہوا تو میں تمہیں گھر میں نہ گھسنے دوں گی۔"

انور تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"تم اس کے متعلق کیا جانتی ہو؟"

"آج سے دو ماہ قبل اس نے ڈیلی میل کے رپورٹر کی چٹنی بنا دی تھی۔"

"مجھے بھی معلوم ہے۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور جو راستہ تم اختیار کر رہے ہو وہ تو اسے بھیڑیا بنا دے گا۔"

"میں نے کبھی کوئی کام سوچ سمجھ کر نہیں کیا۔"

''تب تو ٹھیک ہے۔ موت بھی اطلاع دیئے بغیر ہی آتی ہے۔''

''شش......!''

انور اپنی میز پر بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ اس کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

''میں بھی چلوں گی۔'' رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''نہیں......!''

''دیکھتی ہوں تم کس طرح روکتے ہو۔''

''اس طرح۔'' انور نے کہا اور اٹھ کر کمرے کے دروازے بند کر دیئے اس کمرے میں صرف وہی دونوں بیٹھے تھے۔ پہلے انور بیٹھتا تھا اور رشیدہ کی میز کمپوزیٹروں کے کمرے میں ہوا کرتی تھی لیکن بعد کو انور نے اسے بھی وہیں بلا لیا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ رشیدہ کی طرف آیا۔ اس کے دونوں کان مضبوطی سے پکڑ کر دو تین گہرے جھکولے دیئے اور پھر تین چار مرتبہ تھپڑ جھاڑ کر الگ ہٹ گیا۔

رشیدہ نے شور نہیں مچایا پہلے اسے گھورتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

''کمینے......کتے......سُوّر......وحشی......جنگلی......یہ آفس ہے......جہنم میں جاؤ۔''

آنکھیں خشک کر کے وہ پھر ٹائپ کرنے لگی۔ انور نے دروازہ کھول دیا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ رشیدہ نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ وہ بدستور سر جھکا کر ٹائپ کرتی رہی۔

گھڑی نے ساڑھے چار بجائے اور انور کمرے سے نکل آیا۔ رشیدہ نے سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کی موٹر سائیکل پروفیسر درانی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ موٹر سائیکل اس نے پورٹیکو ہی میں پہنچ کر روکی اور دو منٹ تک انجن بند نہیں کیا۔ پوری کوٹھی شور سے گونج رہی تھی۔

ایک دبلا پتلا اور کافی لمبا آدمی برآمدے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا اور گردن میں شوخ رنگوں والی ٹائی تھی۔ چہرہ سفید اور زندگی کے

صحت مند آثار سے قطعی محروم تھا۔ آنکھیں دھندلی اور عرق آلود تھیں۔

انور نے اسے دیکھ کر انجن بند کر دیا اور اسٹینڈ گرا کر سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ آدمی اسے خواب ناک انداز میں گھورتا ہوا بولا۔

''پروفیسر سے ملنا ہے۔'' انور لاپروائی سے بولا۔

''پروفیسر سے......؟'' اس نے اس انداز میں دہرایا جیسے انور ملک الموت سے ملنے کا متمنی ہو۔

''خود انہوں نے مجھے بلایا ہے۔''

''انہوں نے! لیکن مجھے تو اس کی اطلاع نہیں۔''

''آپ ہیں کون؟'' انور نے اُسے گھور کر پوچھا۔

''ان کا سیکریٹری۔''

''لیکن انہوں نے مجھے بلایا ہے اور براہِ راست مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''براہ راست......!'' وہ اس طرح بولا جیسے خواب میں بڑبڑا رہا ہو۔ اس کی نظریں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کیوں انور کے ذہن میں ایک کینچلی چڑھا ہوا پرانا سانپ کلبلانے لگا۔

''ہاں ہاں جناب براہِ راست......!''

''ثبوت......؟''

''ابھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر ان سے بات کی تھی۔''

''خیر میں پوچھتا ہوں......آیئے۔''

وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ سیکریٹری نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔

انور بیٹھ کر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروفیسر نے سچ مچ اُسے مدعو کیا ہو۔

سیکریٹری ماؤتھ پیس میں ہکلا رہا تھا۔

''لیس سر......ایک صاحب......اوہ لیس سر......آپ نے انہیں بلایا تھا......لیس سر......

وہ یہی کہتے ہیں...... یس سر۔''

پھر وہ ماؤتھ پیس کو ہاتھ سے بند کر کے انور کی طرف مڑا۔ ''کیا نام بتایا تھا آپ نے؟''

''انور سعید۔''

سیکریٹری ماؤتھ پیس میں بولنے لگا۔

''یس سر...... انور سعید صاحب...... اچھا صاحب نہیں...... صرف انور سعید...... یس سر۔''

''مسٹر، آپ خود گفتگو کر لیجئے۔'' اس نے ریسیور انور کی طرف بڑھا دیا۔

''ہیلو......!'' انور کو فون میں عجیب قسم کی غراہٹ سنائی دی۔

''کون ہو تم......؟''

''انور سعید...... نیو اسٹار کا رپورٹر......!''

''کیا ہے؟'' عجیب طرح کی آواز تھی۔

''آپ نے مجھے بلایا ہے۔''

''بکواس ہے...... تمہارا دماغ خراب ہے۔''

''تو پھر آپ نے مجھے کیوں پریشان کیا۔'' انور اس زور سے چیخا کہ کمرہ گونج اٹھا اور سیکریٹری اسے گھورنے لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک اطمینان بخش مسکراہٹ تھی۔

انور اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں نہیں بلایا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میرے پاس آپ کی تحریر موجود ہے۔'' انور جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''میرا وقت بہت قیمتی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' تھوڑے توقف کے بعد آواز آئی۔ ''سیکریٹری۔''

انور نے ریسیور سیکریٹری کی طرف بڑھا دیا۔

''یس سر...... یس سر...... ویری ول سر......!''

''جائیے۔'' وہ ریسیور رکھ کر انور کی طرف مڑا۔ ''راہداری کے آخری سرے پر داہنی طرف مڑ جائیے گا۔''

''آپ چل کر دکھا دیجئے۔''

''میں......اوہ......!'' وہ ہکلایا۔ ''مجھے فون پر اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی۔''

انور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر راہداری میں داخل ہوگیا۔ آخری سرے پر پہنچنے سے پہلے ہی اسے اپنی پشت پر ایک سریلی آواز سنائی دی۔

''ٹھہریئے۔''

انور چونک کر مڑا۔

اس سے کچھ فاصلے پر ایک دبلی پتلی اور خوبصورت سی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی آنکھوں سے مشابہ تھیں۔ چہرے پر ایک غم آلود اضمحلال طاری تھا۔ انور دل ہی دل میں اس کے حسن کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''آپ ڈیڈی سے ملنے آئے ہیں؟''

''جی ہاں......! غالباً آپ کا مطلب پروفیسر صاحب ہے۔''

لڑکی سر ہلا کر بولی۔ ''آپ اس سے پہلے بھی کبھی ان سے مل چکے ہیں؟''

''جی نہیں!''

لڑکی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''خدارا ان سے کسی بات پر بحث نہ کیجئے گا۔''

''کیوں؟'' انور نے پوچھا۔

''کیا آپ نے ان کے متعلق کچھ نہیں سنا......؟''

''نہیں۔''

''آپ کے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''چوٹ ہے۔''

''تب تو آپ خدارا واپس چلے جایئے......جایئے۔''

''میں ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔''

لڑکی تھوڑی دیر کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ''جایئے! لیکن جیسے ہی انہیں کسی بات پر غصہ

آئے آبنوس کی گول میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا دیجئے گا۔ میں فوراً آ جاؤں گی۔ داہنے ہاتھ کی طرف سامنے والا کمرہ۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے تین بار دروازہ پر ہلکی ہلکی دستک ضرور دیجئے گا۔''

انور نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔

''آ جاؤ......!'' اندر ایک غراہٹ نما بے ہنگم آواز سنائی دی۔

انور دروازے کو دھکا دے کر بے دھڑک اندر چلا گیا۔ ایک بڑی میز کے پیچھے اسے ایک عجیب الخلقت آدمی یا جانور کا سر دکھائی دیا۔ چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی اور اس ڈاڑھی کی موجودگی میں وہ سر کسی ارنے بھینسے کا سر معلوم ہو رہا تھا۔

''گڈ ایوننگ پروفیسر......!'' انور قدرے جھک کر بولا۔

''انگریز کی بچے ہو؟'' ایک چنگھاڑ سنائی دی۔

''اچھا السلام علیکم......!''

''وعلیکم السلام......تم جھوٹے ہو...... میں نے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا...... بیٹھ جاؤ۔'' اس نے بڑی میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور بیٹھ گیا۔

پروفیسر درانی ایک چکر کھانے والی کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ انور نے محسوس کیا کہ سر کی نسبت اس کا جسم بھی کافی پھیلاؤ رکھتا ہے۔

''وہ میری تحریر کہاں ہے؟'' پروفیسر کی چنگھاڑ پھر سنائی دی۔

انور نے ٹائپ کیا ہوا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

خط پڑھتے وقت پروفیسر درانی کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہو گیا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں ابلنے لگیں......اور پھر......انور نے اس کے حلق سے نکلنے والی بے ہنگم آوازوں کو مصلحتاً نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

''یہ میرے دستخط نہیں ہیں۔'' وہ چنگھاڑ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی عظیم الشان توند میز کے اوپر لہرانے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مغل طرز کی کسی عمارت کا گنبد متحرک ہو گیا ہو۔ وہ میز پر اپنے دونوں ہاتھ ٹیکے انور کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ ایک ٹھنڈی سی لہر اسکے جسم میں دوڑ گئی۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' انور نے لاپروائی سے کہا۔

''میں تمہیں سمجھاؤں گا'' وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ ''میں اس ڈھانچے کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے تمہیں بلاؤں گا۔ تمہیں...... تم...... جو ایک مائل بہ انحطاط نسل سے تعلق رکھتے ہو۔ تم جس کی ذہانت مینڈک اور چوہے کی ذہانت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتی۔ تم ایک پریس رپورٹر، کیچوے سے بدتر...... میں تمہیں بلاؤں گا...... ایک سائنٹیفک مسئلے پر اظہار خیال کرنے کیلئے۔ تمہارے اوپر تو ایک چمپنزی کی کھال بھی نامناسب معلوم ہوگی...... دفان ہو جاؤ۔''

''میں آپ کی زندگی میں دفن ہونے کے لئے تیار نہیں۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''دفن نہیں دفان......!'' وہ میز پر گھونسہ مار کر حلق کے بل چیخا اور کمرے میں کم از کم ایک ہزار آوازیں بکھر گئیں۔

انور خاموش بیٹھا رہا۔ وہ دیدہ و دانستہ یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ وہ اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں۔ پروفیسر درانی کی سانس پھول رہی تھی۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' وہ دانت پیس کر ہانپتا ہوا بولا۔ ''تم نے میرا وقت برباد کرنے کے لئے یہ چال چلی ہے۔''

''بحیثیت بزرگ آپ کو میری اس شرارت پر ہنسی آنی چاہئے تھی۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔

''ہنسی......!'' پروفیسر اچھل کر بولا۔ ''مجھے کبھی ہنسی نہیں آتی۔ میں بندروں کی طرح دانت نکالنا پسند نہیں کرتا۔''

''تو پھر آپ کو بن مانسوں کی طرح خاک بھی نہ اڑانی چاہئے۔'' انور اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''کیا......؟'' پروفیسر پھر کھڑا ہوگیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں اس وقت دنیا کے عظیم ترین سائنٹسٹ سے گفتگو کررہا ہوں۔'' انور کے لہجے میں بیزاری تھی۔

پروفیسر پھر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ شعلہ بار ہوگئی تھیں۔

''گٹ آؤٹ۔'' دفعتاً وہ اتنی زور سے چیخا کہ انور چونک پڑا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن اس نے بھی یہ طے کرلیا تھا کہ اپنے چہرے پر ایسے آثار پیدا نہ ہونے دے گا جن سے یہ

ظاہر ہو سکے کہ وہ اس سے مرعوب ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسے شروع ہی سے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی خونخوار ریچھ کے کٹہرے میں بند کر دیا گیا ہو۔

''اس ڈھانچے کے متعلق دنیا آپ کے خیالات کی منتظر ہے۔'' انور نے کہا۔

''دنیا کو اگر اس کی ضرورت ہو گی تو میرے پاس باقاعدہ طور پر وفد آئے گا۔ اس کے لئے میں کسی حقیر پریس رپورٹر سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ ناؤ گٹ آؤٹ۔''

''اچھا تو یہ حقیر پریس رپورٹر آپ کو اس فرعونیت کا مزہ چکھا دے گا۔'' انور جانے کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔ دراصل اس کا مقصد حل ہو گیا تھا۔ فریدی نے اسے صرف اس کے عادات و اطوار اور حلیہ وغیرہ معلوم کرنے کے لئے ہدایت دی تھی۔

''مجھ پر اپنے چیتھڑے کے ذریعے گندگی اچھالو گے۔'' پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں...... میں اتنی پست ذہنیت نہیں رکھتا۔'' انور جانے کے لئے مڑا۔

''ٹھہرو! کیا تمہیں ڈیلی میل کے رپورٹر کا حشر نہیں معلوم تھا۔''

''معلوم تھا...... اور اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شاید اس نے بھیڑ کا دودھ پیا تھا۔''

پروفیسر درانی اچھل کر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

انور کے سامنے دنیا کا آٹھواں عجوبہ کھڑا تھا۔ اس کا قد ساڑھے چار فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ رہا ہو گا۔ مگر پھیلاؤ...... خدا کی پناہ...... انور سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں اتفاق سے اس پر گر ہی گیا تو اس کی ہڈیاں سرمہ ہو جائیں گی اور جسم امرود کی جیلی بن جائے گا۔

''لیکن تم نے شاید کسی گدھی کا دودھ پیا ہے۔'' پروفیسر انور کی طرف جھپٹا۔ انور اچھل کر یک طرف ہو گیا اور پروفیسر اپنے زور میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ کلی اور وہ پھر پلٹ پڑا۔ انور نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا بھاری بھرکم جسم اسے ملنے جلنے سے بھی ز رکھتا ہو گا۔ لیکن اس کا پھرتیلا پن دیکھ کر اسے چکر آنے لگا۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر اسے پکڑنے ی کوشش کر رہا تھا اور انور سارے کمرے میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وفیسر دروازے کی خاص طور پر حفاظت کر رہا ہے۔ کمرے کی چوڑائی کم تھی اسے خدشہ تھا کہ اگر س نے ایک بار بھی اس کے قریب سے نکلنے کی کوشش کی تو موت ہی ٹانگ پکڑ لے گی۔ انور نے

پوری قوت لگا کر بڑی میز الٹ دی۔ پروفیسر زخمی شیر کی طرح دھاڑ کر اس کی طرف جھپٹا۔ انور جھک کر میز کی اوٹ میں ہوگیا۔ پروفیسر بھی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر جھکا۔ انور نے ہائی جمپ کی مشق کا مظاہرہ کیا...... لیکن ...... اس کی ایک ٹانگ پروفیسر کے ہاتھ میں آ ہی گئی......اور پھر انتہائی الجھن کی حالت میں بھی اسے ہنسی آ گئی۔ وہ فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں پروفیسر کے ہاتھوں میں تھیں اور پروفیسر بھی اوندھا پڑا ہوا بن مانسوں کی طرح شور مچا رہا تھا۔ انور کو اپنی پنڈلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ لیکن اسے اطمینان تھا کہ اب پروفیسر خود سے قیامت تک نہ اٹھ سکے گا۔ تاوقتیکہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑ دے۔ انور کہنیاں زمین پر ٹیک کر آگے کھسکنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔

اس جدوجہد کے دوران میں انور کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا گیا تھا اور زخم پھر سے تازہ ہوگیا تھا۔ زخم پر بندھی ہوئی پٹی سے خون رسنے لگا۔ چہرے پر کئی جگہ خراشیں آ گئی تھیں۔ ناک کے قریب داہنے گال کا بہت سا چمڑہ نکل گیا تھا۔

پروفیسر نے بھی شاید تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑے گا۔ دونوں ابھی تک زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ پروفیسر نے چیخنا بند کردیا تھا۔ البتہ اس کی چڑھتی ہوئی سانسیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

دفعتاً انور کو آبنوس کی گول میز کا خیال آیا۔ جو قریب ہی پڑی ہوئی تھی اور اس کی دسترس سے باہر نہ تھی۔ اس نے خود کو آدھے دھڑ سے اٹھایا اور میز پر رکھی ہوئی برقی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

تھوڑی دیر بعد راہداری میں تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی اور وہی لڑکی اندر گھس آئی۔

''ڈیڈی......!'' وہ زور سے چیخی......اور انور کی ٹانگوں پر پروفیسر کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئی۔

''ڈیڈی......چھوڑ دو......اسے۔''

''بھاگ جاؤ......!'' پروفیسر غرایا۔

''میں اپنا گلا گھونٹ لوں گی۔'' وہ بلبلا کر رو پڑی۔

پروفیسر نے انور کے پیر چھوڑ دیئے اور انور اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''جاؤ...... بھاگو......!'' وہ انور کو دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ انور اس طرح نہیں بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس سے اس کا رونا نہ دیکھا گیا۔ وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس نے انور کو باہر دھکیل کر اندر سے دروازہ بند کرلیا۔

انور چند لمحے کھڑا لڑکی کے رونے کی آواز سنتا رہا۔ شاید پروفیسر اسے چمکار رہا تھا۔

وہاں مزید ٹھہرنا فضول سمجھ کر انور چل پڑا۔ اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز تھی۔ سارے کپڑے ستیاناس ہو گئے تھے اور اسے یہ سوچ سوچ کر شرم آ رہی تھی کہ ابھی اسے اسی حالت میں شہر کی سڑکوں سے گزرنا ہوگا۔

بہر حال وہ جوں توں گھر پہنچا۔

سات بج گئے تھے اور اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔

اس کے فلیٹ میں روشنی تھی۔ رشیدہ فلیٹ میں موجود تھی۔ انور کو اس حال میں دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

چند لمحے خاموش کھڑی اسے گھورتی رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی اور پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے گالوں پر چانٹوں کی بوچھاڑ کردی۔

''سُوّر...... کمینے...... کتے...... میں منع کرتی تھی۔''

انور خاموشی سے پٹتا رہا۔

پھر رشیدہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

انور اس کا نوٹس لئے بغیر کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ رشیدہ کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ انور کی نظریں باہر سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور فریدی کو فون کرنے لگا۔

شروع سے آخیر تک کی روداد دہرانے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔

''میرے زخم صاف کر کے بینڈ یج کردو۔''

رشیدہ آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی اور ڈریسنگ کا سامان درست کرنے لگی۔

انور سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔

رشیدہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔

''او......رشیدہ کی بچی...... مجھے آنسوؤں سے نفرت ہے۔'' انور نے کہا اور اسے گھورنے لگا۔

کچھ گھونسے کچھ فائر

نو بجے رات کو فریدی اور حمید آرلکچنو میں کافی پی رہے تھے۔ کچھ دیر قبل حمید انور کی معقول مرمت پر دل کھول کر ہنس چکا تھا اور اب دونوں خاموشی سے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔

''کیا آپ کو واقعی پروفیسر درانی پر بھی شبہ ہے؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''نہیں......لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ پروفیسر چودھری کے معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکے۔''

''تو آخر انور کی حجامت بنوانے سے کیا فائدہ ہوا آپ کو......؟''

''میں پروفیسر درانی کو اتنا پاگل نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال اس سے ملنے سے قبل میں اس کی شخصیت کے بارے میں اندازہ لگا لینا چاہتا تھا۔ وہ انتہائی ضدی مغرور اور احساس برتری کا شکار معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی کام کی بات معلوم کرنے کے سلسلے میں کافی احتیاط برتنی پڑے گی۔''

''آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی ہوّا ہو۔''

''یہ بات نہیں وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ ملک کے چوٹی کے لیڈر اس کا نام عزت سے لیتے ہیں اور اس کی بد دماغیوں کے باوجود بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ تم شاید اس خیال میں ہو گے کہ اس سے دھونس دھڑ لے سے بھی کام نکل جائے گا۔''

''اچھا اگر وہ کمینگی ہی پر آمادہ ہو گیا تو کیا کیجئے گا۔'' حمید بولا۔

''طرح دینی پڑے گی حمید صاحب۔ اس کی علمیت کی بناء پر میں اس کا احترام کرتا ہوں۔''

''آپ بھی عالم ہیں اسی لئے...... میں ٹھہرا جاہل...... ہمیشہ جوتے گانٹھتا رہتا ہوں اس لئے میرے ہاتھ میں تو جوتا ہوگا۔''

''تم انور سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''کیا فرمایا آپ نے...... خدا کی قسم پھر ایک دن یہی سہی۔''

''کیا......؟''

''میری اور انور کی کشتی۔''

''آپ کشتی لڑیں گے؟'' فریدی تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''آپ مجھے اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہیں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔ ''اچھا آپ ہی میرا پنجہ موڑ دیجئے۔''

حمید نے پنجہ آگے بڑھا دیا۔ فریدی نے اپنی انگلیاں اس میں پھنسائیں اور......

''ارے...... ارے'' حمید بل کھانے لگا۔ ''توڑنے کو کب کہا تھا۔''

فریدی نے ہنس کر ہاتھ چھوڑ دیا۔

''اچھا اب اٹھنا چاہئے۔'' فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ٹھہرئیے......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ذرا ایک بات اور سمجھ لینے دیجئے ورنہ بعد کو آپ مجھے الزام دیں کیونکہ آج کل مجھ پر کشت وخون بُری طرح سوار ہے۔''

فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ظاہر ہے کہ آپ کسی ارادے سے نکلے ہیں اور آپ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے اور آپ کو یہاں اس کی موجودگی کا یقین واثق ہے اور ہم دونوں تنہا وہاں جارہے ہیں۔ آپ نے محکمے کو بھی اس سے باخبر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ بڑی اہم چیز تھی۔''

حمید خاموش ہوگیا۔

''تم اپنی کس بات کا جواب چاہتے ہو؟'' فریدی بولا۔ ''میرے خیال سے تم نے کوئی جواب طلب بات کہی ہی نہیں۔''

''ہم تنہا کیوں جارہے ہیں؟''

''معاملات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے...... ابھی ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔''

فریدی بولا۔

''اور اگر معاملات نے ہمارا صحیح اندازہ لگالیا تو۔''

''بکومت......گٹ آؤٹ۔''

ریسپشن روم میں آ کر انہوں نے اپنے اوور کوٹ پہنے۔ فلٹ ہیٹ اٹھائے اور کالر کھڑے کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ٹھنڈی ہوا ان کے گال سہلاتی ہوئی کانوں میں گھس رہی تھی۔ سڑک پار کر کے ایک گلی میں گھستے وقت اُنہوں نے فلٹ ہیٹوں کے گوشے چہروں پر جھکا لئے۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی چل پڑی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا فریدی کی طرف مڑا۔ جو سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تم تو عورتوں کے بڑے گہرے نباض ہو۔'' دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''خیریت......؟'' حمید نے پائپ سلگاتے رک کر کہا۔

''مسز چودھری نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ پروفیسر چودھری کے سارے جوتے بھی موجود تھے اور وہ چپل بھی پلنگ ہی کے پاس پڑے پائے گئے تھے جنہیں وہ رات کو پہنا کرتا تھا۔''

''اس نے بتایا نہیں تو آپ کو معلوم کیسے ہوا......؟''

''پولیس کی تفتیش رپورٹ سے۔''

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں یقیناً عورتوں کی نفسیات کا ماہر ہوں لیکن جوتوں اور چپلوں پر میری نظر نہیں رہتی ہیں۔ Leg Fetishism کا شکار نہیں۔''

''یقیناً ہو...... میں نے تمہیں انہیں عورتوں کے پیچھے بھاگتے دیکھا ہے جن کے پیر سبک اور حسین ہوتے ہیں کچھ تعجب نہیں کہ تم ان کے انگوٹھے بھی چوستے ہو۔''

''اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی اپنا ہی انگوٹھا چوسنے لگتا ہوں۔''

''بات پھر ادھر اُدھر ہوگئی۔ میں نے وہ بات اس لئے کہی تھی کہ تم اس پر سنجیدگی سے غور کرو گے۔''

''تو جناب اگر آپ سنجیدگی سے پوچھتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں اسے مکار سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ بڑی پیاری عورت ہے۔''

''جذبات سے الگ رہ کر سوچو......!''

''ناممکن فریدی صاحب۔ آپ قطعی غیر فطری بات کہہ رہے ہیں۔ کوئی مرد کسی ایسی عورت کے متعلق جذبات سے الگ رہ کر کچھ سوچ ہی نہیں سکتا جس کے ساتھ اس کے جنسی رشتے کا قیام ممکن ہو۔''

''کبھی کبھی یہ بھول جایا کرو کہ تم مرد ہو۔''

''یہ بھی غیر فطری ہے۔''

''میری مثال سامنے رکھو۔''

''آپ خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ آپ کسی خطرناک Complex کے شکار ہیں۔''

''خیر چلو یہی سہی۔ میں اس کی تردید نہیں کرسکتا۔ اگر آدمی کے ساتھ Complexes نہ ہوں تو وہ اپاہج ہو جائے۔ مگر تم اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا۔''

''خدا نہ کرے کہ کبھی میرا دل ٹھنڈا ہو......جس دن ایسا ہوا خودکشی کرلوں گا۔''

پروفیسر چودھری کی کوٹھی قریب ہی تھی۔ فریدی نے ٹیکسی رکوائی اور وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور اس کے کنارے بجلی کے کھمبے اپنی زرد روشنی سمیت بے کراں رات ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔

فریدی اور حمید سڑک چھوڑ کر عمارت کی پشت پر پھیلی ہوئی تاریکی میں چلے گئے۔

''میرا خیال ہے کہ چودھری کی کوٹھی یہی ہے۔'' فریدی بولا۔ تھوڑی دیر تک تاریکی میں ڈوبی ہوئی عمارت کے نیچے سے اوپر تک دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔ ''تھوڑی بہت محنت تو کرنی ہی پڑے گی۔''

''یعنی......؟''

''ٹھہرو بتاتا ہوں......'' فریدی نے کہا اور دیوار کی طرف چلا گیا۔ حمید بھی بڑھا فریدی دیوار کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔

''اس پائپ کے سہارے ہمیں اوپر جانا ہے۔'' فریدی نے سرگوشی کی۔

''اپنے بس کا روگ نہیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔ ''پہلے سے بتا دیا ہوتا تو لنگوٹی باندھ کر آتا۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔''

''کیا مصیبت آگئی۔''

''السٹر ولسٹر ادا کر مجھ سے نہ چڑھا جائے گا۔''

''السٹر اتار دو۔''

''رکھوں کہاں.....؟''

''مجھے دو......!'' فریدی نے کہا اور بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔ جوتے جیبوں میں ٹھونس کر اس نے حمید کا السٹر کاندھے پر ڈالا اور فلٹ ہیٹ کو سر کی پشت پر چپکا کر پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ حمید کو طوعاً وکرہاً اس کی تقلید کرنی پڑی۔ پائپ کے لوہے کی ٹھنڈک اس کے ہاتھوں کی ہڈیوں میں گھسی جارہی تھی۔ تھوڑی دور چڑھنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ فلٹ ہیٹ سرک کر نیچے چلی گئی اور وہ دل ہی دل میں کوئی اچھوتی اور نئی گالی تلاش کرنے لگا۔ پائپ سے ملی ہوئی کھڑکی صاف نظر آرہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے ایک ٹانگ بڑھا کر کھڑکی کے اندر رکھی اور حمید کی نظروں سے غائب ہوگیا۔

حمید کی حالت ابتر تھی۔ اسے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے پائپ گرفت سے اب نکلا تب نکلا۔ سانس پھول گئی تھی۔ ہاتھ اور پیر پتھر کی طرح سخت اور بے حس ہوئے جارہے تھے۔ بدقت تمام وہ کھڑکی تک پہنچ ہی گیا۔ لیکن اگر فریدی اسے فوراً ہی سنبھال نہ لیتا تو وہ کھڑکی اس کے لئے جنت کی کھڑکی ثابت ہوتی۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ حمید جوتے پہننے لگا۔ پھر فریدی نے اس کا اوور کوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ حمید کے سر سے جالگا اور وہ چونک کر بولا

''فلٹ ہیٹ کیا ہوئی۔''

''اس پر زمین کی قوتِ کشش غالب آگئی۔''

''خیر......اس بات کی خوشی ہے کہ تم ایسے موقعوں پر بھی اچھے جملے بول سکتے ہو۔''

فریدی نے جیب سے ٹارچ روشن کر کے چاروں طرف دیکھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو کبھی بیڈ روم کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہوگا اور گرد و غبار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ عرصہ سے اس کی خبر نہیں لی گئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ فریدی کو اس دروازے کا بھی ایک شیشہ کاٹنا پڑا۔ اس سے قبل وہ پائپ ہی پر چڑھے چڑھے کھڑکی کا بھی شیشہ کاٹ چکا تھا۔ دروازے کے بولٹ میں تالا نہیں تھا۔ اس لئے دروازہ کھول لینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کمرے سے نکل کر انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ دن ہی میں اوپری منزل کو اچھی طرح دیکھ بھال چکے تھے۔

طویل راہداری سے گزرتے وقت دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ دبایا۔ حمید بھی رک گیا۔ زینوں پر آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے ہال کی طرف والے زینوں کی سمت چلے گئے۔ انہوں نے وہ آہٹ بیرونی زینوں پر سنی تھی۔

آنے والا تھوڑی دیر تک راہداری کی ایک کھلی کھڑکی کے قریب کھڑا رہا۔ تاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں اس کے خطوط صاف نظر آرہے تھے۔ وہ کوئی مرد تھا وہ آدھے دھڑ سے کھڑکی کے باہر جھکا اور پھر وہاں سے ہٹ کر پروفیسر چودھری کی لیبارٹری کے دروازے پر آ گیا۔ انہوں نے تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنی۔ دروازے ہلکی آواز کے ساتھ کھلے اور قدموں کی آہٹ دور ہوتی چلی گئی۔

وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے لیبارٹری میں داخل ہو گئے۔ لیکن......ابھی ان کی آنکھیں اس آدمی کو تلاش کر رہی تھیں کہ پیچھے سے کئی آدمی ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر میزوں پر رکھے ہوئے شیشے کے آلات چھنا چھن ٹوٹنے لگے۔ فریدی اور حمید کو ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔

وہ کل پانچ تھے۔

''شلا ئز! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔'' دروازے پر کسی نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ بھی غیر ملکی تھا۔ پانچوں کے ہاتھ رک گئے۔ فریدی کو چھینک آئی۔ پھر ایک دوسری چھینک سنائی دی اور فریدی نے اندازہ لگا لیا کہ حمید کہاں ہے۔ شاید یہ اشارہ انہوں نے ایسے ہی مواقع کے لئے مقرر کیا تھا۔

فریدی ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ شاید ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچ

سکتا تھا کہ ابھی اسی کمرے کی ایک کرسی اچھل کر دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی پر پڑ جائے گی اور وہ زمین پر چاروں خانے چت ہوگا۔

اس کے گرتے ہی فریدی نے ایک ہاتھ سے ٹارچ نکالی اور دوسرے سے ریوالور سنبھالا۔

''اَپ مائی لیڈس......!'' وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔ ٹارچ کی روشنی میں چھ آدمی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور فریدی کے ریوالور کی نال ان کی طرف تھی۔

''حمید! ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دو۔'' فریدی نے اردو میں کہا۔

''یہ سب کسی سفید نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔''

حمید تین کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ دفعتاً کسی نے پیچھے سے فریدی کے ریوالور والے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا اور اس کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔ فریدی اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ منہ کے بل زمین پر جا رہا۔

''بھوت......!'' اس نے حمید کی چیخ سنی۔

فریدی نے گرتے ہی ٹارچ بجھا دی اور لیٹے ہی لیٹے اچھل کر ایک بڑی میز کے نیچے چلا گیا۔ وہ تین آدمی جن کے ہاتھ حمید نہیں باندھ سکا تھا اس پر ٹوٹ پڑے۔ حمید نے ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔ اس نے چودھری کے بھوت کا نشانہ لیا تھا۔ جس کا چہرہ اندھیرے میں شعلے کی طرح دہک رہا تھا اور جس نے فریدی کو دھکا دیا تھا۔ فائر خالی گیا۔ حمید نے ایک میز الٹ دی۔ کوئی دب کر چیخا۔

بھوت غائب ہو چکا تھا۔ میز پھر سیدھی ہوگئی اور کوئی اس کے نیچے سے نکل کر دروازے کی طرف بھاگا۔

حمید نے پھر فائر کیا لیکن یہ بھی خالی گیا۔

''کیا کرتے ہو۔'' اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی کوئی دھم سے گرا۔ راہداری میں بہت سے قدموں کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔ پھر سکوت طاری ہوگیا۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی لیبارٹری میں پھیل گئی اور حمید نے دیکھا کہ فریدی ایک آدمی پر سوار ہے۔

دونوں نے مل کر اسے اٹھایا۔ یہ انہیں میں سے تھا جن کے ہاتھ حمید نے باندھے تھے اس کے ہاتھ ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ فریدی اسے کالر سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ہال میں جانے والے زینوں کی طرف چلا۔ حمید ان کے پیچھے تھا اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں ریوالور۔

ہال میں روشنی تھی اور وہ بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ فریدی نے قیدی کو ایک صوفے میں پھینک دیا اور صوفے کے ہتھے پر پیر رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

''کیوں بیٹے! یہ سب کیا ہے؟'' فریدی نے انگریزی میں پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔

''بولو نا چچا......!'' حمید نے اس کی زخمی ناک پکڑ کر زور سے دبادی اور وہ بیساختہ چیخ پڑا۔

دفعتاً سامنے والا کمرہ کھلا اور مسز چودھری باہر آتی دکھائی دی۔ وہ حد درجہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ وہ فریدی اور حمید کی طرف بے تحاشہ دوڑی۔

''فریدی صاحب......کیا ہوا......؟ یہ سب کیا ہے؟ میں نے ابھی فائر کی آواز سنی تھی۔''

''کوئی بات نہیں ہم لوگ غافل نہیں تھے۔ کیا آپ نے اسے کبھی دیکھا ہے؟''

تارا چودھری اسے غور سے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ ''میں نہیں جانتی......لیکن ......یہ......کیا یہاں میری کوٹھی میں؟''

''جی ہاں...... یہاں کوئی حیرت انگیز بات ہونے والی ہے۔''

''کیا بہت سے تھے؟''

''جی ہاں......!''

''اور وہ......؟''

''چودھری صاحب کا بھوت......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''وہ اتفاق سے نکل گیا۔ لیکن مطمئن رہئے نہ وہ چودھری صاحب ہیں اور نہ ان کا بھوت......!''

''پھر......؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' فریدی صوفے کے پاس سے ہٹتا ہوا بولا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

''کوتوالی فون کردو۔''

''آپ کی پیشانی زخمی ہوگئی ہے۔'' تارا بولی۔

''فکر مت کیجئے۔''

''میں ڈریسنگ کا سامان لاتی ہوں۔ لیکن فریدی صاحب میں اب اس کوٹھی میں نہ رہ سکوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ ''آپ اسے پولیس کے حوالے کر کے کسی عزیز کے یہاں چلی جائیے۔''

دفعتاً قیدی کی چیخ سے ہال کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

وہ دونوں اچھل پڑے۔

قیدی زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا......اور......اس کے پیٹ میں ایک تیر پیوست تھا۔

اس نے کربناک انداز میں آخری جست لگائی......اور گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

تارا چیخ کر فریدی کے بازوؤں میں آ گری۔

حمید جو دوسرے کمرے میں فون کر رہا تھا......ریسیور پھینک کر ہال میں آ گیا۔

ہال میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پھر سب سے پہلے فریدی چونکا۔

انہوں نے پوری کوٹھی چھان ماری لیکن ایک متنفس بھی نہ دکھائی دیا۔

مگرمچھ

اسی رات کو پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں پولیس نے ڈیرا ڈال دیا۔ پروفیسر چودھری کی بیوی کوٹھی چھوڑ کر اپنے ایک عزیز کے یہاں چلی گئی۔ اس کوٹھی میں ایسے عجیب و غریب حالات

میں کسی یوروپین کی لاش ملنا معمولی بات نہ تھی۔ دوسرے ہی دن ملک کے اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہوگئے اور پروفیسر کے اچانک غائب ہوجانے والا واقعہ پھر سے کریدا گیا لیکن صحیح واقعات کا اظہار کسی نے نہیں کیا تھا اور کرتا بھی کیسے جب کہ......فریدی ہی نے غلط رپورٹ دی تھی۔ اس کی رپورٹ کے مطابق وہ اور حمید چودھری کی کوٹھی کے قریب سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے کچھ آدمیوں کو مشتبہ حالت میں کوٹھی کے اندر داخل ہوتے دیکھا پھر وہاں انہیں ان سے ہاتھا پائی بھی کرنی پڑی۔

چودھری کی بیوی نے پہلے ہی اپنی کوٹھی میں ہونے والے واقعات کی رپورٹ درج کرادی تھی۔ بس ان دونوں رپورٹوں کو ملا کر اخبارات نے عجیب عجیب کہانیاں تراشی تھیں۔

فریدی رات ہی سے بہت مصروف تھا۔ اس نے بے شمار فائل کھول رکھے تھے۔ لاتعداد تصاویر اس کے سامنے پڑی تھیں اور وہ انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔ ایش ٹرے راکھ سے بھر گیا تھا۔ تقریباً دو بجے رات کو ان کی واپسی ہوئی تھی۔ تب سے وہ جاگتا ہی رہا تھا۔ حمید بھی اس کے قریب ہی موجود تھا لیکن آرام کرسی پر۔ ویسے اگر وہ نوکیلے پتھروں پر بھی بیٹھا ہوتا تو اس کی نیند کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ پھر پچھلی رات کی ورزش اور دھول دھپے کے بعد کی تھکن...... وہ اطمینان سے خراٹے لے رہا تھا۔

سورج طلوع ہوگیا تھا اور دھوپ پھیلتی جارہی تھی۔ دفعتاً انور اور رشیدہ کمرے میں داخل ہوئے۔ انور کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور چہرے پر کئی نیلے اور سرخ نشانات نظر آرہے تھے۔

انور فریدی کے سر پر بھی پٹی بندھی دیکھ کر مسکرایا۔

''آپ بھی زخمی ہوگئے؟''

فریدی نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ نے مجھے اطلاع نہ دی۔'' انور بیٹھتا ہوا بولا۔

''مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ خراٹے فرمارہے ہیں۔'' رشیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمید ان کی آوازیں سن کر جاگ پڑا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھولنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

''خراٹے نشر کر رہا ہوں۔'' وہ آنکھیں بند کئے ہی کئے بڑبڑایا۔

''آخر بات کیا تھی؟'' انور نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے مختصراً سارے واقعات دہرا دیئے۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''انہوں نے ہم پر کسی کے دھوکے میں حملہ کیا تھا۔''

''کسی اور کے دھوکے میں......؟'' انور بولا۔

''ہاں...... کیونکہ انہوں نے شلائر کے نام سے مخاطب کیا تھا۔''

''شلائر......؟''

''ہاں شلائر۔'' فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ ''کیا تم نے کبھی یہ نام سنا ہے؟''

''ممکن ہے سنا ہو۔''

فریدی نے ایک تصویر انور کی طرف بڑھا دی جسے دیکھتے ہی وہ بے ساختہ چونک پڑا۔ رشیدہ بھی جھک کر تصویر دیکھنے لگی۔

''یہ تاک......!'' انور آہستہ سے بڑبڑایا اور فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ مغربی جرمنی کا ایک جاسوس ہے اور آج کل یہاں باضابطہ طور پر آیا ہوا ہے۔ اپنی حکومت کی طرف سے کوئی پیغام لے کر...... جس کی اطلاع ابھی تک ہمیں بھی نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ گارساں ہی کے متعلق کچھ ہو۔''

''لیکن پروفیسر درانی کے یہاں اس کا کیا کام......!'' انور نے بےچینی سے کہا۔

''پروفیسر درانی کے یہاں؟'' فریدی کے لہجے میں تحیر تھا۔

''جی ہاں...... میں نے اسے کل رات کو بارہ بجے پروفیسر کے سیکریٹری کے کمرے میں اس سے گفتگو کرتے دیکھا تھا۔''

''اوہ تو تم پھر وہاں گئے تھے؟'' رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

''میں بتاؤں۔'' حمید یک بیک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔ ''پروفیسر کی لڑکی بڑی حسین ہے۔''

رشیدہ انور کو تیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

انور فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں اسے تھوڑی سی سزا دیئے بغیر نہ مانوں گا اور اسی چکر میں

کل رات کو وہاں گیا تھا۔''

''یقیناً......!'' حمید دیدے پھرا کر بولا۔ ''اگر تم اس کی لڑکی کو اُلو بنانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ اس کے لئے سخت ترین سزا ہوگی۔''

''حمید......!'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''سرکار......!'' حمید اسی لہجے میں جھلکتا ہوا بولا۔

''اگر سنجیدگی سے نہیں بیٹھ سکتے تو چلے جاؤ۔''

''جو حکم......!'' حمید مسکرا کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ یہی تھا جس کی تم تصویر دیکھ رہے ہو۔'' فریدی نے انور سے پوچھا۔

''مجھے یقین کامل ہے۔''

''اوہ......!'' فریدی کرسی کی پشت سے ٹک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

''گارساں کی تصویر نہیں ہے آپ کے پاس......؟'' انور نے پوچھا۔

''اس کا کوئی صحیح ریکارڈ کہیں نہیں ہے۔''

''لیکن ان ملکوں کے پاس تو ہونا ہی چاہئے جن کے لئے وہ کام کرتا رہا ہے۔''

''وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے پاس اس کا صحیح ریکارڈ نہیں ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اس کی صحیح شکل تک تو معلوم نہیں کسی کو۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی آزادی سے اس زمین پر چل رہا ہے۔ ورنہ اس کی دشمن ساری دنیا ہے۔''

''ممکن ہے وہ چودھری کا بھوت ہی گارساں ہو۔'' انور نے کہا۔

''لیکن آخر چودھری کی کوٹھی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' رشیدہ بولی۔

''یہی سب سے بڑا سوال ہے۔'' فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اور اب یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ شلائر بھی۔''

''کہیں وہ چودھری کا بھوت چودھری ہی نہ ہو۔'' رشیدہ نے کہا۔

''پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا لیکن پچھلی رات یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔''

''کیوں......؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ چودھری پر اسرار طریقے پر غائب ہوگیا تھا اس کی کوئی معقول وجہ ہونی چاہئے۔ پھر اچانک چھ ماہ بعد بھوت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ کوٹھی میں کچھ اور لوگ بھی دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو کسی خاص مصلحت کی بناء پر ہی بھوت بنا ہوگا۔ فرض کرلو کہ وہ اپنی کسی خاص چیز کی حفاظت کے لئے ایسا کررہا ہے اور کچھ لوگ بھی اسی چیز کی تاک میں ہیں۔ چودھری انہیں اس بہروپ میں کوٹھی سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ پچھلی رات کو جب میں ان لوگوں سے نپٹ رہا تھا اسی نے مجھ پر پیچھے سے حملہ کیا تھا اگر وہ چودھری ہی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہاں ایک سے زیادہ پارٹیاں سرگرمی دکھا رہی ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو اسے اس سے واقف ہونا چاہئے ورنہ اس نے یہ بہروپ کیوں بھرا ہے۔ ایسی حرکتیں عموماً بے بس آدمی ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن کل کی بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بے بس نہیں ہے۔ جن لوگوں سے میں لڑ رہا تھا ان پر اس کی موجودگی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کی حقیقت سے واقف ہیں اور وہ ان کی حقیقت سے۔ اب سوچو! چودھری اگر اتنا انتظام رکھ سکتا تھا تو پھر اسے بھوت کی شکل میں ظاہر ہونے کی کیا ضرورت تھی اور اگر وہ یہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اسے بھوت نہ سمجھیں گے تو پھر اس بہروپ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''پھر وہ کون ہے؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''کوئی بھی ہو لیکن چودھری نہیں ہوسکتا۔'' فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

''شیو کر رہا ہوں۔'' حمید نے دوسرے کمرے سے کہا۔

''اس کے بعد ذرا یہاں آجانا۔''

''اس ٹرانسمیٹر میں پھر کوئی آواز سنائی دی تھی؟'' انور نے پوچھا۔

''نہیں لیکن آفس کے ٹرانسمیٹر میں وہ اشارے پچھلی رات کو بھی سنے گئے تھے۔''

''وہ کار میرے ذہن میں ہے۔'' انور بولا۔

''قطعی بیکار ہے۔'' حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''تمہیں بازار تک جانا ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''کیوں.....؟''

''ایک بڑی مچھلی اور ایک بکری کے بچے کا سر لاؤ۔''

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس قسم کی خرید و فروخت عموماً باورچی کیا کرتے تھے۔ فریدی کافی سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

''باورچی سے کہئے.....آپ نے مجھے اتنا گھٹیا سمجھ لیا ہے۔''

''پھر وہی! میں کہتا ہوں فضول باتیں مت کرو.....نوکروں کو اس کا علم نہ ہونا چاہئے۔''

''مجھے اُلو مت بنائیے.....!''

''جاؤ.....!'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا اور حمید پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

رشیدہ ہنسنے لگی۔

''اس کا اسکریو ہر وقت ڈھیلا ہی رہتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''خبطی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا ''مگر ہے شاندار آدمی۔ کل تو اس نے اس بھوت کا صفایا ہی کر دیا تھا۔ تھوڑا بہت کام چور ضرور ہے لیکن جب کوئی کام کرنے پر آجاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔''

''لیکن بعض اوقات بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں۔'' فریدی بولا۔ ''پروفیسر درانی کے یہاں نوکر کتنے ہیں؟''

''نوکر.....؟ شاید یہ نہ بتا سکوں کیونکہ مجھے وہاں اس کے سیکریٹری اور اس کی لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں نظر آیا۔''

حمید کپڑے پہن کر پھر اُسی کمرے میں آ گیا۔

''تم ابھی گئے نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''سنئے جناب۔'' حمید ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ''میں ابھی اتنا بڑا سراغ رساں نہیں ہوا کہ ناشتہ کرنا بھی بھول جاؤں۔''

''اوہ......!'' فریدی نے انور اور رشیدہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تم نے بھی ابھی ناشتہ نہ کیا ہوگا۔''

''کر چکے ہیں۔'' رشیدہ ہنس کر بولی ''اور اگر نہ بھی کیا ہوتا تو تب بھی یہی کہتے۔''

''کیوں......؟''

''حمید صاحب کی حق تلفی کے خوف سے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''جملہ کچھ جچا نہیں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''مگر خیر میں اخلاقاً ہنسوں گا ضرور۔''

پھر اس نے زبردستی ایک زوردار قہقہہ لگایا اور سب ہنسنے لگے۔

حمید شاید ناشتے کے لئے کہتا آیا تھا کیونکہ اس کے آنے کے بعد ہی ناشتے کی ٹرالی آ گئی۔

ناشتے کے دوران بھی حمید کی زبان نہ رکی۔

''یار جلدی کرو۔'' فریدی اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''اڑن طشتریوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔'' حمید نے فریدی کی بات اڑا کر رشیدہ کو مخاطب کیا۔

''وہی جو سب کا ہے۔''

''سب میں تو میں بھی آ گیا لیکن ان کے متعلق میرا کچھ خیال نہیں ہے۔''

''بہر حال دوسروں کے خیال سے تو متفق ہی ہو گے۔''

''دوسروں کی تو میری نظروں میں کوئی اہمیت ہی نہیں۔''

''اے حمید صاحب۔'' فریدی نے اسے پھر ٹوکا۔

''جناب والا......! ہاں تو رشیدہ صاحبہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری نظروں میں ان خیالات کی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کسی سیارے کے ہوائی جہاز ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا کوئی مہلک ہتھیار ہیں۔ اللہ تمہیں نور ایمان عطا کرے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ رحمت خداوندی کے خوان ہیں جن میں بھنی ہوئی بٹیریں اور سیخ کے کباب پائے جاتے ہیں۔''

''اچھا تو میں خود ہی جاتا ہوں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''بس ایک کپ کافی اور......آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟'' وہ اپنی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

ناشتے کے بعد حمید چلا گیا۔

فریدی انور اور رشیدہ سے کافی دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ چودھری کی گمشدگی کا بھی تذکرہ چھیڑا۔

''مجھے یقین ہے'' فریدی بولا۔ ''کہ چودھری خود سے غائب نہیں ہوا بلکہ اسے غائب کیا گیا ہے۔''

''واقعات کو آپ جس روشنی میں لے رہے ہیں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟'' رشیدہ بولی۔

''شاید مطلب بھی واضح ہو جاتا۔ لیکن حمید نے فائر کر کے سب گڑ بڑ کر دیا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں اس سے کیا ہوا......؟''

''جو بھی پارٹیاں اس کوٹھی میں دلچسپی لے رہی ہیں وہ خود اس سلسلے میں احتیاط برتتی ہیں کہ ان کی موجودگی کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی آپس کی جدوجہد کے سلسلے میں کوئی ایسی بات ہو جس کی خبر پولیس تک جا پہنچے۔ کل بھی ان میں سے کسی نے ریوالور نہیں استعمال کیا۔''

''حمید کے ذہن میں ابھی کچا پن ہے۔'' انور بولا۔

اتنے میں حمید بھی واپس آ گیا۔ شاید اس نے انور کا جملہ سن لیا تھا۔ منہ بنا کر کہنے لگا۔

''اور تمہارا ذہن پک کر سڑ گیا ہے۔ تم جیسے لونڈوں کی یہ مجال کہ میرے ذہن پر تنقید کریں۔''

''بات کہنے کا سلیقہ پیدا کرو۔'' انور اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''اکیلے کوئی کچھ نہیں پیدا کر سکتا۔'' حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

''لائے یا نہیں؟''

''لایا ہوں۔'' حمید نے تھیلا اس کے سامنے پٹخ دیا۔

''اب یہی بدسلیقگی ملاحظہ فرمایئے۔'' انور نے مسکرا کر کہا۔ ''باورچی خانے کے بجائے اسے یہاں اٹھا لائے۔''

''یہ چیز تمہارے اُبلے ہوئے ذہن کے لائق نہیں ہے۔'' حمید بولا۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ خود اسے بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی نے وہ سب کیوں منگوایا ہے۔

''حمید ٹھیک کہتا ہے...... یہ سب باورچی خانے کے لئے نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

اور تھیلا اٹھا کر اس کے اندر دیکھنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد اسے اٹھائے ہوئے کمرے سے چلا گیا۔

''خدا خیر کرے۔'' حمید اپنے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا کر کے بولا۔

''کیوں......؟'' رشیدہ اسے تحیر آمیز انداز میں دیکھنے لگی۔

''اب چپ چاپ یہاں سے کھسک لینا چاہئے۔ شاید فریدی صاحب کا پرانا مرض پھر سے ابھر آیا ہے۔''

''کیا بکتے ہو......؟'' انور بڑبڑایا۔

''نہیں یار......؟'' حمید غمزدہ صورت بنا کر آہستہ سے بولا۔ ''تم ان کی زندگی کے حالات اور ان کی ٹریجڈیز سے واقف نہیں ہو۔''

''کیا......؟'' رشیدہ نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ کسی بھی غیر معمولی شخصیت کا مالک انتہائی چوٹ کھایا ہوا آدمی ہوتا ہے۔ آج دسمبر کی اٹھارہ تاریخ ہے نا۔''

حمید خاموش ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''آخر بتاتے کیوں نہیں؟'' رشیدہ بے چینی سے بولی۔

''ہر ماہ کی اٹھارہ تاریخ کو......مگر نہیں......کچھ نہیں میں مجبور ہوں۔''

''کس کی باتوں میں پڑی وہ۔'' انور منہ سکوڑ کر بولا۔

''انور تم نہیں جانتے۔'' شدت غم سے حمید کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

انور بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ حمید اس سے پہلے کبھی ایسے موڈ میں نظر نہیں آیا تھا۔

''آخر بتانے میں کیا حرج ہے؟'' رشیدہ کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

''ناممکن ہے۔ یہ اس صدی کے ایک بہت بڑے آدمی کی زندگی کا راز ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ پچھلے ماہ انہوں نے ایک مرغ اور ایک سانپ کے ساتھ یہی برتاؤ کیا تھا۔''

''یعنی......؟''

''ایک سانپ اور ایک مرغ کو لڑا کر بڑی دیر تک روتے رہے تھے۔''

''غلط......!'' رشیدہ ہنس پڑی۔ ''بھلا مرغ کس طرح لڑا ہوگا سانپ سے۔ مرغ تو سانپ کو دیکھ کر ہی مر جاتے ہیں۔''

''یہی تو بات ہے......انہوں نے مرغ کو شراب پلا دی تھی۔''

''کیا بکتا ہے۔'' انور بے تحاشہ ہنس پڑا۔ لیکن حمید بدستور غمگین رہا۔ اس نے عجیب غمزدہ انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھا جو سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''اور پھر جب مرغ مر گیا تو وہ اور زیادہ روئے۔''

''تم ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو۔'' رشیدہ ہنس پڑی۔

''میں تمہیں یقین نہیں دلانا چاہتا۔'' حمید پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رشیدہ بولی۔

''ہم کسی سے کہیں گے نہیں۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کے چہرے سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

''کوئی ......عورت......!'' حمید اٹک اٹک کر بولا۔ پھر دفعتاً چونک کر کہنے لگا۔ ''نہیں نہیں......رشیدہ صاحبہ میں مجبور ہوں۔''

رشیدہ کے چہرے پر الجھن کے آثار پھر ابھر آئے تھے اور وہ انور کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''فضول وقت برباد کر رہی ہو۔'' انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ حمید نے چھت کی طرف دیکھ کر اس طرح منہ بنایا جیسے غمگین سروں میں سیٹی بجائے گا۔ پھر انور کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''انور صاحب! میرا ہی جگر ہے کہ ایک نیم پاگل آدمی کے ساتھ دن رات رہتا ہوں۔ تم فریدی صاحب کی گھریلو زندگی سے واقف نہیں ہو......اگر تم کسی آدمی کے کمرے میں......!''

حمید پھر خاموش ہو گیا اور رشیدہ بے تابی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگی۔

''میں ایک ہفتہ قبل کی بات کر رہا ہوں......ایک رات تقریباً دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔'' لر وہ خاموش ہو گیا۔

اور انور بھنا کر بولا۔ ''ارے تو بتاؤ نا......!''

''دل نہیں چاہتا......مگر خیر فریدی صاحب کے سامنے اس کا تذکرہ نہ آنے پائے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''میں نے ان کے کمرے میں اچھل کود کی آوازیں سنیں اور گھبرا کر اپنے کمرے سے نکل آیا۔ان کے کمرے میں خاصی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی......اوہ میرے خدا......وہ ایک بڑے بالوں والی کتیا کو شراب پلا رہے تھے۔''

''بکواس ہے......کتے شراب نہیں پیتے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن وہ پلا رہے تھے......فریدی جیسے ذہین آدمی کے لئے دنیا کی کوئی بات ناممکن نہیں۔شراب کسی جانور یا پرندے کے خون میں ملا کر دی جا رہی تھی۔ بہر حال اس کے بعد میں نے جو کچھ دیکھا...... ہرگز نہ بتاؤں گا۔''

''چلو رشیدہ دیر ہو رہی ہے۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''بتاؤ نا......!'' رشیدہ انور کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

''کیا فائدہ......!'' حمید کی آواز رقت انگیز تھی۔ ''تم سن کر ہنسو گی۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ فریدی صاحب کو کبھی کوئی دردناک حادثہ پیش آیا ہے۔''

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھا اور پھر جھٹکے کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔رشیدہ کے انداز سے فی الحال اٹھنے کا ارادہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔

''وہ کتیا کو شراب پلا کر تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ 'قمر النساء ڈارلنگ......پھر وہ شاید اس کی تھوتھنی سے اپنے ہونٹ ملانے جا رہے تھے کہ بف کر کے وہ پیچھے ہٹ گئی۔ وہ پھر بولے۔قمر النسا ڈارلنگ میں مر جاؤں گا۔کتیا باقاعدہ بھونکنے لگی تھی۔ بہر حال وہ اس کا منہ چومنے میں ناکام رہے۔''

''رشیدہ......!'' انور کے لہجے میں جھلاہٹ تھی اور رشیدہ برابر ہنسے جا رہی تھی لیکن حمید کا چہرہ بالکل ایسا ہی نظر آ رہا تھا جیسے وہ کسی لاش کے سرہانے بیٹھا ہو۔

''میں کہتا تھا کہ تم ہنسو گی۔فریدی صاحب پر اسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔''

حمید کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو گالوں میں ڈھلک آئے۔
رشیدہ یک بیک سنجیدہ ہوگئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شریف آدمی کو غیر ارادی طور پر گالی دے بیٹھنے کے بعد ندامت کا اظہار کر رہی ہو۔

''اچھا آؤ......!'' حمید رومال سے آنسو خشک کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تمہیں دکھاؤں۔ آج بھی کوئی نیا گل کھلے گا۔ لیکن تمہیں اس طرح چلنا ہوگا کہ تمہارے قدموں سے آواز پیدا نہ ہو۔''

وہ انہیں اوپری منزل پر لے آیا جہاں فریدی کی تجربہ گاہ تھی۔ حمید انہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے پنجوں کے بل ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔ چند لمحے تجربہ گاہ میں جھانکتا رہا پھر پلٹ کر انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آ گئے۔ فریدی ایک بڑی میز کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک ایسی مچھلی لٹکا رکھی تھی جس کا سر بکری کا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

''اب چپ چاپ نکل چلو۔'' حمید آہستہ سے بولا اور وہ تینوں دبے پاؤں نیچے آ گئے۔

''اب تم لوگ جاؤ......میری شامت آنے والی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں......؟ یہ کیا تھا......؟''

''بکر مچھ......!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''جب سوچتے سوچتے ان کا دماغ تھک جاتا ہے تو ہمیشہ اسی قسم کی ایک مچھلی بناتے ہیں۔ اسے بکر مچھ کہتے ہیں اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور پھر میری گردن دبوچ کر انتہائی غصے میں کہتے ہیں کہ اس کی پوجا کرو۔''

''بکواس ہے۔'' انور نے کہا۔

''یار تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ کیا تم نے انہیں یہ کہتے نہیں سنا تھا۔ حمید جانتا ہے کہ یہ مچھلی کھانے کے لئے نہیں ہے۔''

انور متذبذب نظر آنے لگا۔

''اچھا......بس اب جاؤ......میں نہیں چاہتا......''

انور اور رشیدہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر جانے کے لئے مڑے اور حمید بولا۔

''اب مجھے اپنی خیر منانی چاہئے۔''

جب اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ پھاٹک کے باہر پہنچ گئے ہوں گے تو اس نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور خود ہی اپنی پیٹھ ٹھونکنے لگا۔ پھر دفعتاً اسے فریدی دکھائی دیا۔ وہ زینوں سے نیچے اتر رہا تھا..... اسے احمقوں کی طرح ہنستا دیکھ کر رک گیا۔

''سب ٹھیک ہوگیا۔'' حمید نے قلقاری لگائی۔ ''رشیدہ میرے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہوگئی ہے۔ اس بات پر اس میں اور انور میں جھگڑا ہوگیا اور وہ دونوں چلے گئے۔''

چوکور کنواں

دوسرے دن انور اپنے آفس میں نیو اسٹار کے ہم عصر اخبارات کے تازہ شمارے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک مقامی اور کثیر الاشاعت اخبار تھا۔

''رشو.....!'' اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا جو ٹائپ رائٹر پر سے ڈھکن اٹھا رہی تھی۔ ''دیکھا میں نہ کہتا تھا تم اس سؤر کو نہیں جانتیں۔''

''کسے.....؟ کیا بات ہے۔''

انور نے اخبار اس کی طرف پھینک دیا۔ رشیدہ نے پہلے ہی صفحہ پر ایک بے حد عجیب و غریب آبی جانور کی تصویر دیکھی جس کا سر بکری کا تھا اور دھڑ مچھلی کا۔ اسی کے نیچے ایک خبر تھی جس میں کہا گیا تھا کہ اٹھارہ دسمبر کو انسپکٹر احمد کمال فریدی نے ایک ماہی گیر سے ایک ایسی مچھلی خریدی ہے جس کا سر بکری کا ہے اور اس کے بعد فریدی کی افتادِ طبع کے متعلق ایک داستان تھی جس کے مطابق وہ عجائبات کا شوقین اور ایک عمدہ قسم کے چھوٹے موٹے عجائب خانہ کا مالک تھا۔

''کمال کا آدمی ہے۔'' رشیدہ اخبار رکھ کر بولی۔ ''وہ رو بھی تو رہا تھا..... کسی کو بھی اس کی

باتوں پر یقین آ سکتا ہے۔"

طلسم ہوشربا پڑھی ہے تم نے؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں...... کیوں؟"

"اس کا ایک کردار عمرو عیار ہے۔"

"ہاں......!"

"یہ کم بخت اس سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ عموماً خود کو بالکل احمق ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے زہریلے پن سے میں ہی واقف ہوں۔ جانتی ہو اس نے ہم لوگوں کو کیوں ٹال دیا تھا۔"

رشیدہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس نے یہ سب کچھ ہمیں ٹالنے ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر ہم لوگ وہاں ٹھہرتے تو اسے ہماری گفتگو میں حصہ لینے پر مجبور ہونا پڑتا۔ معلوم نہیں ہمارے اس طرح چلے آنے پر اس نے فریدی صاحب سے کیا کہا ہوگا؟"

"لیکن اس تصویر کی اشاعت سے فریدی صاحب کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"معلوم نہیں...... ان کے طریقے ذرا مشکل ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔"

رشیدہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا۔

"ہیلو......!" رشیدہ نے ریسیور اٹھایا۔ "اوہ...... جی ہاں...... اچھا۔" وہ پھر انور کی طرف مڑ کر بولی۔ "تمہارا فون ہے۔ فریدی صاحب ہیں۔" انور نے ریسیور رشیدہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ "ہیلو...... جی...... جی...... اچھا...... ابھی آیا......!" انور نے ریسیور رکھ دیا۔

"کہاں......؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"پروفیسر چودھری کی کوٹھی پر۔ اگر کوئی کام پینڈنگ میں نہ ہو تو چلو۔"

وہ دونوں نیچے آئے۔ انور نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے سڑک پر اتاری اور دونوں پروفیسر کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

پھاٹک پر پولیس کا پہرہ تھا۔ لیکن شاید انہیں پہلے ہی سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس لئے

انہوں نے انور کی موٹر سائیکل نہیں روکی۔ پورٹیکو میں دونوں اتر گئے۔ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آدمی ان کی رہنمائی کے لئے برآمدے میں موجود تھا۔

فریدی اور حمید ایک کمرے میں خاموشی سے کھڑے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔ انور اور رشیدہ کو دیکھ کر حمید نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''مسز چودھری نہیں آئیں؟'' فریدی نے اس آدمی سے پوچھا جو انور اور رشیدہ کو یہاں تک لایا تھا۔

''جی نہیں۔''

'اچھا تو جاؤ......!'' فریدی نے کہا۔ ''وہ بھی آ ہی رہی ہوں گی۔''

اس کے جانے کے بعد حمید نے مسکرا کر انور کی طرف دیکھا۔

''امید ہے کہ تم نے بکر مچھ کی تصویر آج کے مورننگ نیوز میں ضرور دیکھی ہوگی۔'' اس نے کہا۔

''بھائی حمید! واقعی تم بڑے خطرناک آدمی ہو۔'' رشیدہ ہنس کر بولی۔

''انور کے سامنے ایسا نہ کہو۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔ ''ورنہ خودکشی کر لے گا۔''

فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہ لے رہا ہو۔ وہ کمرے کے بیرونی دروازے میں کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ پروفیسر چودھری کے سونے کا کمرہ ہے۔'' دفعتاً اس نے مڑ کر انور سے کہا۔ ''وہ یہیں سے غائب ہوا تھا اور وہ دروازہ جو ہال میں کھلتا ہے اندر سے بند پایا گیا تھا اور یہ دروازہ.......!''

اس نے بیرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ انور دروازے کے قریب جا کر باہر دیکھنے لگا۔ یہ دروازہ پائیں باغ کی طرف کھلتا تھا لیکن اس طرف کے حصے میں بدنظمی سی تھی۔ یہاں پھولوں کی کیاریاں نہیں تھیں۔ اس طرف کی مہندی کی باڑھ کی بھی شاید عرصے سے خبر نہیں لی گئی تھی۔ یہ حصہ دراصل سائڈ کا تھا۔

''قیاس ہے کہ وہ اسی دروازے سے نکل کر گیا تھا۔'' فریدی پھر بولا۔

''میں کہتا ہوں کہ اب اس کے پیچھے پڑنا ہی فضول ہے۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''کیوں......؟''

''چھ ماہ قبل کی بات ہے۔ لکیر پیٹنے سے فائدہ۔''

''لکیر......!'' انور طنزیہ انداز میں ہنسا۔

''اچھا میاں ترم خاں۔'' حمید اپنا ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''تمہیں بھی دیکھ لیں گے۔''

''فضول باتوں سے کیا حاصل۔'' فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہال میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازے میں مسز چودھری نظر آئی۔ انور اور رشیدہ کو دیکھ کر وہ کچھ ٹھٹکی لیکن پھر دلآویز انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔ ''مجھے شاید کچھ دیر ہوگئی۔ آج اپنے ہی گھر میں کتنی اجنبیت محسوس کررہی ہوں۔''

''میں نے ایک خاص مقصد کے تحت آپ کو تکلیف دی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''تکلیف تو دراصل میں نے ہی دی ہے۔'' مسز چودھری مسکرا کر بولی۔

''تھوڑی دیر کے لئے میں پھر وہی غم ناک موضوع چھیڑنا چاہتا ہوں۔''

فریدی نے کہا۔ ''کیا آپ مجھے چودھری صاحب کی مشغولیات کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔''

''میں پہلے ہی عرض کرچکی ہوں کہ مجھے ان کی مشغولیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''

''میرا مطلب ہے کہ جس زمانے میں وہ غائب ہوئے کیا کوئی ایسی بات آپ نے ان میں نوٹ کی تھی جو آپ کے لئے باعث حیرت ہو۔''

مسز چودھری کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''مجھے یاد نہیں پڑتا۔''

''آپ نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا کہ ان کی چپلیں بھی موجود تھیں۔''

حمید فریدی کے اس جملہ پر خاص طور سے مسز چودھری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ لیکن اس نے چہرے پر اضمحلال کے علاوہ کچھ اور نہیں پایا۔

''بات یہ ہے۔'' وہ مغموم آواز میں بولی۔ ''کہ میں اس خیال سے خوف کھاتی ہوں کہ وہ دنیا میں نہیں ہیں۔''

فریدی اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔ مسز چودھری کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس اپنی لمبی لمبی پلکیں اٹھائیں اور فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر پھر نظریں جھکالیں۔

''میں جانتی ہوں کہ اس کا کیا مطلب ہے مگر پھر بھی میں یہ نہیں سوچنا چاہتی۔''

''یعنی آپ کو اس حادثے کی توقع تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''قطعی نہیں......اس قسم کے حالات ہی نہیں تھے۔''

''پھر آپ نے یہ کس طرح اندازہ لگالیا کہ وہ اس دنیا میں نہیں۔''

اس نے اچانک نظریں اٹھائیں اور فریدی کو بغور دیکھنے لگی۔

''کیوں......کیا آپ نے ابھی چپلوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''ظاہر ہے کہ اگر وہ اپنے پیروں سے چل کر کہیں گئے ہوتے تو ان کے پیروں میں کم از کم چپلیں ضرور ہوتیں۔''

''اس وقت کی تکلیف دہی گراں تو نہیں گزری۔'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''اوہ قطعی نہیں۔''

''فی الحال آپ کو تکلیف تو ضرور ہی ہوگی آپ کو اپنی کوٹھی چھوڑ دینی پڑی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ دوسرے کے گھر میں آرام نہیں مل سکتا۔''

فریدی خاموش ہوکر باہر دیکھنے لگا۔ حمید انور اور رشیدہ کے چہروں پر اکتاہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔

''کیا وہ کبھی حوض تھا......؟' فریدی نے باہر دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

حمید وغیرہ کی نظریں ایک حوض پر جم گئیں جس کے پختہ کنارے زمین کی سطح پر ابھرے ہوئے تھے۔

''جی نہیں کنواں تھا۔'' مسز چودھری نے کہا۔ ''عرصہ ہوا پاٹ دیا گیا ہے۔''

''چوکور کنواں......؟'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''جی ہاں......!'' مسز چودھری بولی۔ ''یہ بھی چودھری صاحب کی افتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔ ایک دن یونہی بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ اگر چوکور کنواں بنوایا جائے تو کیسی رہے۔ اس وقت یہ بات ہنسی میں ٹل گئی لیکن دوسرے ہی دن انہوں نے کام شروع کرادیا۔ بہرحال مذاق ہی مذاق میں سینکڑوں روپے برباد ہوگئے۔ شروع میں تو اس میں پانی نکلا لیکن کچھ دنوں بعد وہ بالکل خشک ہوگیا اور پھر اسے پاٹ دیا گیا۔''

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ مسز چودھری کی بات ختم ہوتے ہی بولا۔

''چودھری صاحب کے غائب ہوجانے کے بعد پاٹا گیا تھا۔''

''جی ہاں...... پٹائی کا کام انہوں نے ہی شروع کرایا تھا...... لیکن کام ختم ہونے سے پہلے ہی غائب ہو گئے تھے۔''

''اوہ......!'' فریدی معنی خیز انداز میں انور کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''اندازاً کتنا کام باقی رہا ہوگا۔''

''یہ تو مجھے یاد نہیں رہا۔'' مسز چودھری کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

''خیر......!'' فریدی نے موضوع بدلا۔ ''حکومت نے چودھری صاحب کی تلاش کا کام باقاعدہ طور پر محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا ہے۔ حکومت کو صحیح معنوں میں ان کے متعلق تشویش ہے۔''

''تو میں یہاں کب تک واپس آسکوں گی؟''

''ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

مسز چودھری کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''آخر وہ لوگ کون ہیں جو کوٹھی میں گھس آئے تھے اور وہ کون تھا جس کے تیر لگا تھا......؟''

''کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک بار پھر آپ سے اس وقت کی تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔''

مسز چودھری سمجھ گئی کہ فریدی اب اسے ٹالنا چاہتا ہے۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔

''اجازت ہے؟''

''شوق سے! تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔''

مسز چودھری چلی گئی۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

''اتنی خوبصورت عورت سے تو ڈھنگ سے بات کیا کیجئے۔'' اس نے کہا۔

''اجازت ہے۔'' فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔ ''بقیہ ڈھنگ کی باتیں آپ کر لیجئے۔''

''کیا وہ تصویر پروفیسر درانی کے لئے ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''ہوں......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اس عورت کو اپنے شوہر کی کسی بات سے دلچسپی

ہی نہیں تھی۔''

''آپ کو یقیناً حیرت ہوگی۔'' حمید نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''کیونکہ آپ کو بیوی کا تجربہ نہیں ۔قبلہ فریدی صاحب میاں اور بیوی ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھالے جاتے۔ اس لئے اللہ پاک کے حضور میں میرا مشورہ ہے کہ یا تو میاں بیوی کو ایک ہی سانچے میں ڈھالا کرے یا پھر عورت اور مرد کے تعلقات پر سے بالکل کنٹرول ہٹا لے۔''

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔

''ہر وقت ٹائیں ٹائیں۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''اور تم دونوں ٹائیں ٹائیں فش......!'' حمید نے رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اپنا پائپ بھرنے لگا۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' انور اسے گھورنے لگا۔

''اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔ ورنہ ٹٹو بنادوں گا۔''

انور سگریٹ پھینک کر حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے اپنا پائپ میز پر رکھ دیا۔ رشیدہ جھپٹ کر دونوں کے درمیان آ گئی۔

''تم خواہ مخواہ بیچ میں آ کودتی ہو۔'' حمید نے رشیدہ سے کہا۔ انور نے رشیدہ کو ایک طرف ہٹا دیا......اور پھر اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ انور جھلا کر پلٹا۔

''اتنی ہی سزا کافی ہے۔'' حمید میز پر سے اپنا پائپ اٹھاتا ہوا پرسکون لہجے میں بولا۔ اس نے بڑی پھرتی سے وار خالی دیا تھا۔

رشیدہ انور کو دروازے کے باہر دھکیل لے گئی۔

''کیا بات ہے؟'' فریدی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ وہ اس بند اور چوکور کنوئیں کے قریب کھڑا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''میرے خیال سے انور اور حمید کو ایک جگہ اکٹھا نہ کیا کیجئے۔''

''یار میں عاجز ہوں اس گدھے سے۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر حمید کو آواز دی۔

حمید لاپروائی سے پائپ پیتا ہوا باہر آیا۔

''کیوں...... کیا داغ دی شکایت۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''اب آپ ہی بتایئے اگر میں اسے دیوار پر گھونسہ مارنے سے روکتا تو یہ الٹا مجھے بد اخلاق سمجھتا۔ عجیب الٹی کھوپڑی ہے۔ اگر آپ وہ مچھلی اس کے سر سے چپکاتے تو خاصا مناسب رہتا۔''

فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پائیں باغ کے مالی کو آواز دی اور اسے ایک پھاوڑا لانے کو کہا۔

پھاوڑا آنے پر فریدی نے کنوئیں کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔

''چلو کھودو......!''

''کہیں میں بھنگ تو نہیں پی گیا۔'' حمید فریدی کے چہرے کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

''جلدی کرو۔''

''تاؤ کسے دکھاتے ہیں۔ میں کمزور نہیں ہوں۔'' حمید نے کہا اور پھاوڑا اٹھا کر پل پڑا۔

''اس کے یہاں سات پشت سے یہی پیشہ ہوتا آیا ہے۔'' انور نے قہقہہ لگایا۔

''بیٹے دعائیں دو رشیدہ کو...... ورنہ آج کسی گھورے پر کتوں سے لڑتے ہوئے نظر آتے۔'' حمید بولا

حمید تھوڑی دیر تک کھودتا رہا پھر پھاوڑا رکھ کر فریدی کی طرف مڑا۔

''مجھے کھودنے سے انکار نہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھے ذلیل کرنے پر تلے ہوئے ہیں لیکن اتنا بتا دیجئے کہ یہ صرف میری سزا ہے یا آپ اس میں سے لنگوروں کا جوڑا برآمد ہونے کی توقع رکھتے ہیں۔''

''ادھر ہٹ آؤ۔'' فریدی نے کہا۔ حمید جلدی سے پھاوڑا چھوڑ کر ہٹ آیا۔

''کیا...... دھما کا ہوگا......؟'' اس نے اس انداز سے کہا کہ انور اور رشیدہ دونوں ہنس پڑے۔

''یار بیکار بھیجا مت چاٹ۔'' فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ پھر اس نے سول پولیس کے اے ایس آئی کو بلا کر چند مزدوروں کے لئے کہا۔

''ایک قیاس کی بناء پر میں ایسا کر رہا ہوں۔'' اس نے انور سے کہا۔ ''یہ تو کلیہ ہے کہ چودھری خود سے کہیں نہیں گیا اب اس کے جانے کی بھی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو اسے

یہیں کمرے ہی میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا یا زندہ لے جایا گیا۔ مار ڈالنے کی صورت میں وہ اس کی لاش کو کہیں اور نہ لے گئے ہوں گے جب کہ یہ آدھا یا وہ تہائی بھرا ہوا کنواں قریب ہی موجود تھا۔"

"اور اگر فرض کیجئے کہ وہ اسے زندہ ہی لے گئے ہوں تو۔" حمید بولا۔

"میں اس کے امکان سے انکار تو نہیں کرتا مجھے اس پر بھی یقین کامل نہیں ہے کہ مار ڈالنے کی صورت میں بھی انہوں نے اسے اسی کنویں میں دفن کیا ہو...... ممکن ہے وہ اس کو سرے سے نظر انداز ہی کر گئے ہوں۔"

"تو پھر اسے کھودنے سے کیا فائدہ؟"

"تو جناب حمید صاحب آپ جادوگر تو ہیں نہیں کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چودھری کا پتہ لگالیں گے۔ یار تو مجھے ناولوں کا شرلاک ہومز کیوں سمجھتا ہے۔"

"خیر چلئے یہ بھی نہ سہی۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر انہوں نے اس کی لاش یہاں دفن کی بھی ہوگی تو چھ ماہ بعد آپ کیا نکالیں گے؟ وہ کیڑے؟ جو خود بھی خاک ہو چکے ہوں گے۔"

"پھر بھی......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے اس چوکور کنوئیں کو دیکھنے کا شوق ہے۔"

"یوں دیکھنے کو آپ تحت الثریٰ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میں آپ کی آنکھیں نہ بند کروں گا۔"

"اچھا اب براہِ کرم گھر تشریف لے جایئے۔" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"شکریہ۔" حمید جانے کے لئے مڑا۔

انور وغیرہ کے آنے سے پہلے بھی فریدی اسے گھر واپس جانے کی تاکید کر چکا تھا۔ اس کو دراصل پروفیسر درانی کے فون کی توقع تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ حمید گھر ہی پر موجود رہے۔ اس مچھلی کی تصویر دیکھ کر پروفیسر درانی کا چونکنا لازمی تھا۔ ماہر علم الاجسام ہونے کی حیثیت سے وہ ہمیشہ ایسی چیزوں کی طرف سب سے پہلے دوڑتا تھا۔ ایک بار شہر میں ایک گائے نے ایسا بچہ جنا تھا جس کے تین سر تھے۔ کئی لوگ اس کے خواہاں تھے لیکن درانی نے سب سے زیادہ رقم پیش کر کے اسے خرید لیا تھا۔ اسی قسم کے کئی اور بھی واقعات تھے۔ جن کی بناء پر یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ وہ اس مچھلی کے لئے ضرور کوشش کرے گا"

فریدی کا خیال سو فیصدی صحیح نکلا۔ گھر پہنچتے ہی ایک نوکر نے بتایا۔

''کوئی صاحب صبح سے کئی بار فون کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنا فون نمبر بھی لکھوا دیا ہے کہ جیسے ہی فریدی صاحب واپس آئیں انہیں بتائے ہوئے نمبروں پر فون کرنے کی تاکید کی جائے۔''

حمید نے نمبر دیکھے پھر ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی۔ وہ نمبر پروفیسر ہی کے ثابت ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد حمید پروفیسر درانی کو فون کر رہا تھا۔

''کون......؟'' دوسری طرف سے عجیب قسم کی آواز آئی۔

''انسپکٹر فریدی۔'' حمید بولا۔

''اوہ......اچھا......!'' غراہٹ سنائی دی۔ ''اس وقت تم پروفیسر درانی بیالوجسٹ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہو۔''

حمید نے باقاعدہ کان کھڑے کئے اور ناک رگڑ کر بولا۔ ''اشرف! کون اشرف؟''

''اشرف نہیں شرف......!'' غراہٹ کچھ تیز ہوگئی۔

''لیکن...... میں شرف نہیں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے...... مجھے احمد کمال فریدی کہتے ہیں۔ اکثر انگریز فراڈی بھی کہتے ہیں۔''

''جہنم میں گئے انگریز......!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا تم بالکل جاہل ہو؟''

''جی نہیں...... کاہل بھی یہاں نہیں رہتے۔''

''کاہل نہیں...... جاہل...... جاہل......!'' بڑی زوردار چیخ سنائی دی اور حمید کا کان جھنجھنا اٹھا۔

''کاہل تو میں بہت ہوں...... پر آپ کام بتائیے۔''

''جہنم میں جاؤ......!'' یہ بھی چیخ ہی تھی۔

حمید اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔

''میں وہ مچھلی خریدنا چاہتا ہوں۔''

''کون سی مچھلی......؟''

''وہی جس کی تصویر مورننگ نیوز میں شائع ہوئی ہے۔''

''تو بکر مچھ کہئے نا......!''

حمید نے ایک بے ہنگم قہقہے کی آواز سنی اور پروفیسر پھر بولنے لگا۔

''تم آدمی ہو یا مسخرے......تم نے اس کا نام بھی رکھ دیا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا نام ہوسکتا ہے؟'' حمید بے بسی سے بولا۔

''میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ کیا قیمت مانگتے ہو؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں نہیں بیچنا چاہتا......اس لئے کچھ قیمت نہیں مانگتا۔''

''تم لوگوں کو عقل کب آئے گی۔'' پروفیسر غرایا۔ ''تم اسے اپنے کمرے میں رکھ کر صرف بغلیں بجاؤ گے اور میں دنیا کے سامنے ایک نیا تجربہ پیش کروں گا۔''

''میں نہیں چاہتا کہ آپ ساری دنیا کو بغلیں بجانے پر مجبور کریں۔'' حمید نے کہا۔

''شٹ اپ......!''

''یو شٹ اپ۔'' حمید نے ریسیور رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ واقعی وہ خوفناک آدمی ہوگا۔ اس کی آواز ہی کم ڈراؤنی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ فریدی اور اس کے ملاقاتیوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ وہ سب اس حیرت انگیز مچھلی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ حمید بوکھلا گیا۔ اب انہیں کیا جواب دے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے اسے قریب سے دیکھ لیا تو پول کھل جائے گا۔ ان سے اس نے کہہ دیا کہ وہ ایک لیبارٹری میں بھجوادی گئی ہے جہاں اسے اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ زیادہ عرصہ تک خراب نہ ہوسکے۔

انہیں تو خیر کسی نہ کسی طرح سے ٹال دیا۔ لیکن دوسری مصیبت ذرا صبر آزما تھی۔ اس کے محکمے کے آفیسروں کے فون بھی آنے لگے وہ بھی اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ خصوصاً ڈی۔ آئی۔ جی تو بُری طرح بے تاب تھا۔ حمید نے انہیں بھی وہی جواب دیا جس پر اسے تاکید کی گئی کہ لیبارٹری سے آتے ہی وہ ان تک پہنچائی جائے۔ ان کی بیویاں ان سے زیادہ بے چین تھیں، لہٰذا حمید کو ایک بار پھر سوچنا پڑا کہ عورت زندگی کے ہر شعبے میں تکلیف دہ حد تک وبال جان ہوجاتی ہے۔ اگر خود اس کی کوئی بیوی ہوتی اور وہ اس قسم کی کوئی لغو خواہش ظاہر کرتی تو وہ اس کی ناک اکھاڑ ڈالتا (کان اکھاڑنے کی دھمکی تو سبھی دیتے ہیں)۔

بھنا کر اس نے پھر ریسیور اٹھایا اور پروفیسر چودھری کے کسرہ مون نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو...... پانچ سات تین آٹھ...... انسپکٹر فریدی صاحب کو فون پر بلایئے۔'' وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''ہیلو...... میں اُلو کا پٹھا بول رہا ہوں.نمہ.وہ سالی بکر مچھ وبال جان ہوگئی ہے۔'' پھر اس نے پوری روداد دہرادی۔

''صبر کرو بیٹے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کنوئیں سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے۔''

''کیا......؟'' حمید بوکھلا کر سر کھجانے لگا۔

''انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ۔''

''لنگور کا ڈھانچہ ہوگا۔ پھر سے غور کیجئے۔''

''لنگور انگوٹھی نہیں پہنا کرتے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

حمید نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بڑبڑانے لگا۔

''یہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہوسکتا...... ہات تیری تقدیر......!''

دفعتاً باہر کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی۔

''پھر کوئی آیا...... ہات تیری بکر مچھ کی......!''

اس نے جھلا کر جست لگائی اور صوفے پر چڑھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان لوگوں سے کس طرح پیچھا چھڑائے، جو اس مچھلی کے درشن کے لئے جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ نوکر نے ایک کارڈ لاکر دیا۔ یہ پروفیسر درانی کے پرائیویٹ سیکریٹری کا ملاقاتی کارڈ تھا۔ حمید جھلاہٹ میں دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ پہلے سیکریٹری کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر چیخ کر بولا۔ ''گٹ آوٹ''

''جناب...... جناب......'' سیکریٹری اٹھتا ہوا بولا۔

''بالکل نکل جاؤ...... دور ہوجاؤ۔'' حمید حلق کے بل چیخا۔ ''اگر اس سالے کا دماغ خراب ہے، تو میں بھی کوئی شریف آدمی نہیں۔ وہ کون ہوتا ہے میری مچھلی خریدنے والا...... سالا میری توہین کرتا ہے۔''

حمید نے اسے دھکے دے کر ڈرائنگ روم سے نکال دیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بڑبڑانے لگا۔ ''چلو یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی طے ہوا......اب کیا کرنا چاہئے......مگر یہ سالے۔'' گھنٹی پھر بجنی شروع ہوگئی تھی۔

حسین عیارہ

حمید دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ رات کے نو بج چکے تھے، لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ برآمد ہونے کے بعد ایک بار اس نے اس سے فون پر گفتگو کی تھی اور اس بات کی تاکید تو پہلے ہی کر دی تھی کہ وہ اس وقت تک گھر پر موجود رہے جب تک کہ وہ واپس نہ آ جائے۔ اس پابندی نے گویا اسے پاگل ہی بنا دیا تھا۔ ویسے ہلکی قسم کی دیوانگی دن بھر طاری رہی تھی۔ اس کی زبان میں اس ''بکر مچھ'' کی زیارت کرنے والوں نے اسے ادھ مرا کر دیا تھا۔ کسی کو ٹالا کسی کی خوشامدیں کیں اور کسی پر جھنجھلایا۔ دن بھر کی بک بک جھک جھک کی بناء پر اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو گیا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کافی پئے یا تھوڑی سی برانڈی سپ کر لے۔

دفعتاً اسے باہر کمپاؤنڈ میں رکھوالی کرنے والے کتوں کا شور سنائی دیا۔ پہلے اس نے اس کی طرف کچھ دھیان نہ دیا لیکن جب شور بڑھتا ہی گیا تو وہ جھنجھلا کر باہر نکل آیا۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف چاروں کتے ایک جگہ کھڑے اچھل اچھل کر بھونک رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک بند دروازے کے نیچے کی زمین سونگھنے لگتے تھے۔

حمید نے انہیں ڈانٹا لیکن ان کے جوش میں کمی واقع نہ ہوئی۔

''ابے تم تو میری جان کو آ گئے۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔ ''جہنم میں جاؤ۔''

کتے بدستور دروازے کی زمین سونگھ سونگھ کر بھونکتے رہے۔ حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے

سر ابھارا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر اس پر یہ بات روشن ہوگئی کہ کوئی اس دروازے سے اندر گھسا ہے کیونکہ اوپر کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا، جو شاید کچھ دیر قبل ہی توڑا گیا تھا۔

حمید نے تین کتوں کو تو وہیں چھوڑا اور ایک کا پٹہ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لایا۔ پھر نوکروں کو آواز دے کر اس نے انہیں بھی ہوشیار کر دیا۔ کتا شور مچاتا ہوا ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ دفعتاً ایک کمرے کا دروازہ دھڑاکے کے ساتھ بند ہوا اور حمید اس پر پل پڑا۔ کوئی دوسری طرف سے زور لگا کر چٹخنی چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ دوسری طرف کوئی گرا اور حمید بھی اپنے ہی زور میں اس پر جا پڑا۔ اسی کے پیچھے کتا بھی تھا جس نے ایک آدھ پنجے اسے بھی مارے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا جسم ہلکا ہو کر ہوا میں اڑنے لگا ہو۔ کیونکہ اس کے نیچے دبا ہوا جسم کسی مرد کا نہیں تھا۔ حمید کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ قبل اس کے وہ تڑپ کر نکل جاتی اس نے اس کے بال مضبوطی سے جکڑ لئے اور ایک سریلی چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔ بہر حال حمید کے حواس بجا ہو گئے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس عورت کے بال پکڑ رکھے تھے اور دوسرے سے کتے کو دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس فکر میں تھا کہ اپنے شکار کی تکہ بوٹی کر ڈالے۔

"پکڑو...... اس خبیث کو۔" اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو للکارا۔ نوکروں نے کتے کو قابو کر لیا اور شاید اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حمید انہیں اپنی مدد کے لئے پکارے گا۔ حمید اس کے بالوں کو پکڑے ہوئے اسے روشنی میں لایا اور پھر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ایک خوبرو لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے مغربی طرز کا لباس پہن رکھا تھا اور خود بھی کسی مغربی ہی ملک کی باشندہ معلوم ہوتی تھی۔

"کون ہو تم......؟" حمید نے اپنی آواز میں کرختگی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہونے لگی کہ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی سراسیمگی ظاہر نہیں ہو رہی۔ فریدی کی صحبت میں رہ کر اسے تھوڑی بہت فرنچ اور جرمن بھی آ گئی تھی۔ اس نے ان دونوں زبانوں میں بھی اپنا سوال دہرایا لیکن جواب ندارد۔ وہ اسے

دیوانوں کی طرح گھورے جارہی تھی۔ دفعتاً اس کے ہونٹ کھلے۔

''پپ...... پپ...... پیہہ...... پی ......ہی ہی ہی ہی۔''

وہ حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بے تحاشہ ہنسنے لگی اور حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

''پاگل معلوم ہوتی ہے۔'' اس نے نوکروں کی طرف مڑ کر خوفزدہ آواز میں کہا۔ وہ شیر کی منہ میں ہاتھ دے سکتا تھا لیکن کسی پاگل عورت سے بھڑنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ جب سے سمیلی[1] قوم کی ایک پاگل عورت سے اس کا سابقہ پڑا تھا پاگل عورتوں کو دیکھ کر ہی اس کی روح فنا ہو جاتی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک ہنستی رہی پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ حمید نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ شاید نوکروں کی بھی یہی حالت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کے قدموں کی آواز صاف سن رہے تھے لیکن اپنی جگہوں پر اس طرح جمے ہوئے تھے جیسے پتھر کے ہو گئے ہوں۔

''کون ہو تم......؟'' حمید نے اچانک فریدی کی آواز سنی اور آنکھیں کھول دیں۔

لیکن وہ اب بھی اسی حالت میں تھی۔ فریدی نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ کر اوپر اٹھا دیا اور اب وہ اس قابل ہو گئی تھی کہ حمید باقاعدہ اپنی آنکھیں کھول سکے۔ وہ لڑکی اب بھی خاموش تھی۔

''حمید...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' فریدی انتہائی غصے میں اس کی طرف مڑا۔

''آپ...... بات......'' حمید ہکلایا۔ ''بات تو سمجھ لیجئے...... یہ...... یہ...... پپاگل ہے۔''

''کون ہو تم......؟'' فریدی نے پھر لڑکی سے سوال کیا۔

لیکن وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی کبھی حمید کو گھورتا، کبھی لڑکی کو اور کبھی قریب کھڑے ہوئے نوکروں کو۔

حمید نے جلدی جلدی اور ہکلا ہکلا کر اسے پوری بات سمجھانے کی کوشش کی اور بولا۔

''نوکروں سے پوچھ لیجئے۔''

اسے خوف تھا کہ فریدی کچھ اور نہ سمجھا ہو۔ فریدی نے نوکروں کو جانے کا اشارہ کیا اور لڑکی کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔

---

[1] جاسوسی دنیا کا گیارہواں ناول ''پہاڑوں کی ملکہ'' جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

''اس کے ہاتھ نہ چھوڑیئے گا.....ورنہ.....!'' حمید نے کہا۔

''بکومت.....!'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔ پھر لڑکی سے انگریزی میں پوچھنے لگا۔ ''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئی تھیں.....؟''

''یہ سُوّر.....!'' لڑکی نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور رو پڑی۔

''کیوں.....؟'' فریدی گرج کر بولا۔

''ارے خدا کی قسم.....'' حمید بوکھلا کر بولا۔ ''یہ مکار جھوٹی ہے.....نوکروں سے.....!''

''خاموش رہو۔'' فریدی چیخا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ ''بہتر ہے کہ تم اسی وقت کوٹھی سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا۔''

''آپ سنئے تو سہی۔''

''میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔''

''تو جہنم میں جایئے۔'' حمید نے جھلاہٹ میں اپنے قریب پڑی ہوئی چھوٹی میز کو ٹھوکر ماری اور کمرے سے نکل گیا۔ اس نے تیزی سے پائیں باغ طے کیا اور پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ غصے سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر پھاٹک کی طرف لوٹ آیا۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے لیکن وہ پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے پھاٹک سے چپکا کھڑا رہا۔ اسے اس لڑکی کے برجستہ جھوٹ پر حیرت ہو رہی تھی اور اس کی ذہانت پر بھی.....وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ لڑکی کس طرح کوٹھی میں داخل ہوئی تھی اور اس کا مقصد بھی اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ تو بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اندر سے اکیلی باہر نکلی تو یہ تاریک سڑک کام دے گی۔

اب اسے فریدی پر بھی غصہ نہیں تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے کن الفاظ میں اس کی توہین کی تھی۔ ٹھنڈک کے ساتھ بس ایک ہی خیال اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ پھاٹک کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ پیچھے سرک گیا۔ اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا.....اس لئے تاریکی میں اس کے دیکھ لئے جانے کے امکانات کم تھے۔

فریدی اور وہ لڑکی پھاٹک پر آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''مجھے اس واقعے پر انتہائی افسوس ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ بچ گئیں۔'' فریدی اس سے کہہ رہا تھا۔

''میں اس کی رپورٹ ضرور کروں گی۔'' لڑکی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''بیکار......!'' فریدی بولا۔''بات بڑھانے سے کیا فائدہ......اس سے آپ کی بھی بدنامی ہوگی۔''

''خیر......!'' لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔''یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ وحشیوں کا ملک ہے۔''

پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔ وہ لڑکی اس کے قریب سے ہوکر گزری اور فریدی اندر واپس چلا گیا۔

حمید دبے پاؤں کچھ دور تک اسکے پیچھے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا۔

''ٹھہرو تو ڈارلنگ......!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں آسمان کے سارے ستارے زمین پر اتر آئے۔ دوسرا گھونسا کنپٹی پر پڑا اور کچھ ستارے حمید کی آنکھوں میں گھس گئے اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کیا تھا۔

اور پھر اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو اپنے بستر پر پایا۔ فریدی اس پر جھکا ہوا تھا۔

''حمید...... پیارے مجھے معاف کردو۔'' فریدی کے لہجے میں ندامت تھی۔

حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی دونوں کنپٹیاں سہلائیں، جو ابھی تک دکھ رہی تھیں اور فریدی کو گھورنے لگا۔

''سچ مچ وہ مجھے چوٹ دے گئی۔'' فریدی پھر بولا۔

حمید نے قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولا۔''ایشیا کا عظیم سراغ رساں زندہ باد۔''

پھر بُرا سا منہ بنا کر لیٹ گیا کیونکہ چیخنے پر اسے چکر آ گیا تھا۔

''یار وہ اس حالت میں تھی کہ میں یہی سمجھا۔'' فریدی پھر حمید پر جھک کر بڑبڑایا اور نوکر کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

''آپ مجھے اتنا لوفر سمجھتے ہیں۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔''لیکن میں......مجھ پر کس نے حملہ کیا

تھا؟ میں سمجھا شاید آپ......!''

''قطعی نہیں...... میں اسے پھاٹک تک چھوڑ کر واپس آیا۔ تم پر شدید غصہ تھا۔ اس لئے کھانا بھی ٹال کر سیدھا سونے کے کمرے میں چلا آیا...... اور پھر...... وہ ٹرانسمیٹر ...... اور وہ چھڑی...... دونوں غائب تھے۔''

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عظیم الشان ہیرو سمجھ رہا تھا...... حالانکہ وہ اسے بھی پاگل بن کر ڈرا چکی تھی اور صاف نکلی جارہی تھی لیکن پھر بھی وہ اس وقت فریدی کا مضحکہ اڑانے پر تل گیا تھا۔ دفعتاً ایک خیال اس کے ذہن میں گونجا۔ آخر وہ ٹرانسمیٹر اور چھڑی کس طرح لے گئی۔

''لیکن وہ غالباً خالی ہاتھ تھی۔'' حمید نے کہا۔

''اور وہ خود اس طرح تمہیں بیہوش بھی نہیں کرسکتی تھی۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''صاحبزادے اس لئے کوٹھی میں گھسی تھی کہ گھر کے سارے افراد کو کسی ایک جگہ اکٹھا کرلے اور اس کے ساتھی اپنا کام کر جائیں۔ چاروں رکھوالی کرنے والے کتوں کی لاشیں باہر کمپاؤنڈ میں پڑی ہوئی ہیں۔''

''ارے......!'' حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔ ''انہیں کس نے اور کب مارا......؟''

''یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن ان پر بھی وہی زہریلے تیر چلائے گئے ہیں۔ یہ چاروں تیر بالکل ویسے ہی ہیں جیسا وہ تیر تھا۔''

''کون سا......؟''

''وہی جس سے چودھری کی کوٹھی میں ایک غیر ملکی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

حمید اپنی خشک زبان تالو سے رگڑنے لگا۔ فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔ ''وہ دونوں چیزیں کمرے میں نہ پا کر مجھے تمہاری مظلومیت کا احساس ہوا اور میں کوٹھی سے نکل کر ٹرک کی طرف دوڑا۔ حالانکہ یہ سو فیصدی حماقت تھی لیکن اگر مجھ سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی تو تم ردی سے اکڑ گئے ہوتے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے سر کا درد حد سے تجاوز کرتا جارہا تھا۔

''میں سمجھا تھا۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''کہ شاید اس کا تعلق پروفیسر درانی سے ہے۔''

''خوب یاد دلایا۔'' فریدی چونک کر بولا۔ ''اس ٹرانسمیٹر یا اس چھتری کے جانے کا افسوس نہیں کیونکہ اس کے ذریعے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کر چکا۔ لیکن اس وقت اس لڑکی نے سچ مچ میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔ حمید پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ لیکن اس کی آہٹ پر، وہ چونک پڑا۔ فریدی جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس نے آواز دی۔

''میں جاگ رہا ہوں۔''

''نہیں سو جاؤ۔''

''کیا بھوکا ہی سو رہوں۔'' حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''شاید تم مرتے وقت بھی یہی کہو گے۔'' فریدی ہنس پڑا۔

اس نے ایک نوکر کو آواز دے کر وہیں کھانا لانے کو کہا اور شرارت آمیز نظروں سے حمید کو دیکھتا رہا۔

''کیا مطلب......؟'' حمید اسے گھورنے لگا۔

''یار مجھے اس لڑکی کی حرکت پر ہنسی آ رہی ہے۔ اس نے تو تمہارا سر ہی تڑوا دیا ہوتا...... نہ جانے میں کیا سوچ کر کچھ نہیں بولا...... ورنہ دل یہی چاہا تھا کہ تمہاری مرمت کر دوں۔''

''تو قبلہ فریدی صاحب۔'' حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں جتنا ظاہر کرتا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم معمولی مرمت سے ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے۔'' فریدی مسکرایا۔

''خیر اگر کبھی اس کا موقع آ گیا تو یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔''

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''میں نے جگدیش کو فون کیا ہے کہ میرے یہاں چوری ہوگئی۔ وہ رپورٹ لکھنے کے لئے آ ہی رہا ہوگا۔''

''لیکن آپ تو اس ٹرانسمیٹر اور گارساں والے معاملے کو چھپانا چاہتے تھے۔''

''قطعی اسے تو چھپانا ہی پڑے گا۔ ورنہ کسی وقت بھی موت سے ملاقات ہوسکتی ہے۔ گارساں نے خود کو آزاد رکھنے کے لئے بہت کشت و خون کیا ہے وہ ہم پر کہیں بھی اور کسی بھی وقت حملہ کرسکتا ہے۔''

''پھر آپ نے چوری کی رپورٹ کیوں کی ہے۔''

''یہ پوچھو کہ کس چیز کی چوری کی رپورٹ کی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''حقیقتاً وہ مچھلی چرائی گئی ہے۔''

''مچھلی......!'' حمید حیرت سے بولا۔ ''اسے تو آپ نے تصویر کھینچ جانے کے بعد ہی باورچی خانے میں پہنچا دیا تھا۔''

''شاید ان گھونسوں نے تمہارے اسکریو ڈھیلے کردیئے ہیں۔ صاحب زادے اگر اس کی چوری کی رپورٹ نہیں کروں گا تو کل آفیسروں کو دکھاؤں گا کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کے درشن کے لئے بُری طرح بے چین ہیں۔ دوسری بات! رپورٹ لکھوانے کے سلسلے میں کسی نہ کسی پر شبہہ بھی ظاہر کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے میں نے پروفیسر درانی کو منتخب کیا ہے۔''

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی بولتا رہا۔ ''شبہے کی وجہ بھی لکھوانی پڑے گی۔ اس کے لئے میں آج شام کا اخبار پیش کردوں گا۔ جس نے یہ خبر چھاپی ہے کہ پروفیسر درانی کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی انسپکٹر فریدی نے اس عجیب و غریب مچھلی کو فروخت کرنے سے صاف انکار کردیا۔''

''آخر اس سے فائدہ......؟'' حمید نے پوچھا۔

''اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ میں پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کے لئے وارنٹ حاصل کرسکوں گا جس کے لئے میں بُری طرح بیتاب ہوں۔ اس کے گھر میں شلائر کی موجودگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شلائر کا تعلق پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں ہونے والے واقعات سے بھی ہے۔''

''اس ہڈیوں کے ڈھانچے کے متعلق تو میں بھول ہی گیا۔'' حمید نے کہا۔

''وہ پروفیسر چودھری ہی کا ہے۔''

''آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟''

''انگلی کی ہڈی میں پھنسی ہوئی ایک انگوٹھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ مسز چودھری نے اسے شناخت کرلیا ہے۔''

''بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ شاید وہ اس وقت اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کررہا تھا۔

''پیچیدہ ترین کہو۔'' فریدی نے سگار سلگانے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔

''ابھی تک کھانا نہیں آیا۔''

عامرہ

دوسری صبح حمید نے لباس کے انتخاب کے سلسلے میں سلیقے اور نفاست کی حد کردی۔ پھر ایوننگ ان پیرس کی آدھی شیشی صاف ہوگئی۔ وہ مسز چودھری کی پینٹ کی ہوئی تصویر کو گوشت و پوست میں دیکھنے جارہا تھا۔ پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کے سلسلے میں سارے انتظامات مکمل ہوگئے تھے اور کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش اس وقت فریدی ہی کی کوٹھی میں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے اور وہ بار بار فریدی کی طرف نظریں اٹھاتا جو سلیپنگ گاؤن میں لپٹا ہوا شیو کررہا تھا۔

''معاملہ بڑے آدمی کا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''پھر......؟'' فریدی ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہاں آپ کی موجودگی قطعی غیر قانونی ہوگی۔''

''مجھے قانون نہ پڑھائیے۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''آپ تو بگڑ گئے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔''

''بس جو میں آپ سے کہوں کرتے جائیے...... میں سب کچھ اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہوں۔''

جگدیش خاموش ہو گیا۔ وہ انسپکٹر فریدی کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور اسے اتنی ترقی اسی طفیل نصیب ہوئی تھی۔ اس نے کئی پیچیدہ کیسوں میں نہ صرف اس کی رہنمائی کی تھی بلکہ عملی ر پر اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔

''میں معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''معاف کیا گیا۔'' فریدی نے اکڑ کر کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔

''جگدیش صاحب! یہ محض اس مچھلی کا معاملہ نہیں ہے۔''

''پھر......؟''

''ابھی کچھ نہ پوچھو۔ آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

شیو کر چکنے کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور پھر وہ ناشتے کی میز پر آ بیٹھے۔

''اپنے کانسٹیبلوں اور محرر کو بھی ناشتہ بھجوا دو۔'' فریدی نے جگدیش سے کہا پھر اس نے جی کو بلا کر اس کے متعلق ہدایات دیں۔

''بھائی حمید تو بڑے زوروں پر جا رہے ہیں۔'' جگدیش اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

''تم بھی زوروں پر ہوتے۔ مگر تمہیں تو سڑی بسی وردی لادنی پڑتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اور سنائیے! اس درمیان میں آپ کو کسی سے عشق ہوا یا نہیں؟''

''ایک برہمن کے لڑکے پر مرمٹا ہوں مگر کیا کروں کہ اس کے سیاں کوتوال ہیں اور وہ خود ا انچارج۔''

جگدیش جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''یہ پروفیسر چودھری کا کیا معاملہ ہے۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''اتنا ہی میں بھی جانتا ہوں جتنا کہ تم......!'' فریدی بولا۔

''مگر ہے معاملہ حیرت انگیز...... کہیں یہ اس عورت ہی کی حرکت نہ ہو...... سائنٹسٹ

عموماً خشک طبیعت کے ہوا کرتے ہیں۔ وہ ایک رنگین مزاج عورت ہے۔ آرٹسٹ بھی ہے۔ ہو ہے کہ اس کے کسی عاشق نے اسے قتل کر کے یہیں دفن کر دیا ہو۔"

"ضروری نہیں کہ ہر آرٹسٹ عورت عاشق بھی رکھتی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ضروری نہ کہ ہر رنگین مزاج عورت اپنے شوہر سے بے وفائی ہی کرے۔"

"آپ عورتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔ "اس لئے اس موضوع پر رو ڈالنے سے گریز کیا کیجئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن پچھلی رات کو......!"

"یہ حلوہ بھی کھایئے نا" حمید جلدی سے بولا اور پھر اس کی زبان تیزی سے چلتی گئی "آپ کی خوراک روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ رنگ پیلا پڑتا جا رہا ہے۔ آنکھوں کے گرد پڑ گئے ہیں۔ دماغ جھائیں جھائیں کرتا ہوگا۔ خوب ڈٹ کر کھایا کیجئے ورنہ آنکھوں کے سا نیلی پیلی چنگاریاں اڑنے لگیں گی اور محصول ڈاک بذمہ خریدار ہو جائے گا۔"

"پچھلی رات......!"

"بھائی جگدیش! تم تکلف کر رہے ہو۔" حمید تیزی سے جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔ جیلی......انڈے تم نے کھائے ہی نہیں......اماں تم تو سبزی کور کبھی نہیں تھے۔"

"پچھلی رات بڑی خوشگوار تھی۔" فریدی نے اکتا کر جملہ پورا کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں دیر نہ ہو جائے۔

ناشتے کے بعد ان کی پارٹی پروفیسر درانی کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔

کمپاؤنڈ میں سناٹا تھا۔ برآمدے میں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ ایک کمرے کے دروازے پر ا تختی لگی ہوئی تھی جس پر "سیکریٹری" لکھا تھا۔ لیکن یہ کمرہ بھی بند تھا۔ پھر وہ صدر درواز۔ آئے اور فریدی بار بار گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ پوری عمارت کا کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا دکھائی دیا......حتیٰ کہ کھڑکیاں تک بند تھیں۔

فریدی کافی دیر تک گھنٹی بجاتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اندر قدموں کی آہٹ سنائی ا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی بھولی بھالی لڑکی دکھائی دی جس کے ایک ہاتھ میں کنگھا تھ

دونوں ہاتھ تیل میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

''پروفیسر کو باہر بھیج دیجئے۔'' فریدی اپنی فلٹ ہیٹ اتارتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔

''باہر......!'' لڑکی اسے گھورتی ہوئی بولی۔ ''وہ کبھی باہر نہیں آتے۔ تم لوگ چپ چاپ چلے جاؤ......آج مجھے پہلی بار موقع ملا ہے کہ میں اپنے ڈیڈی کے بال سنوار سکوں۔''

''آپ ان سے کہئے کہ پولیس گھر کی تلاشی لینا چاہتی ہے۔''

''وہ میری نہیں سنیں گے! آپ لوگ جائیے۔''

''تب پھر ہمیں مجبوراً......زبردستی گھر میں گھسنا پڑے گا''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر ہنس کر بولی۔

''چلو میں تمہیں ڈیڈی سے ملاؤں......اب وہ سب سے مل سکیں گے۔ میرے ڈیڈی بہت ے آدمی ہیں......آیئے۔''

''سیکریٹری کہاں ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں!''

وہ اس کے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ انہیں ایسا معلوم رہا تھا جیسے وہ کسی ویران مقبرے میں چل رہے ہوں۔ ان کے قدموں کی آوازیں اونچی چھت لے کمروں میں بازگشت پیدا کر رہی تھیں۔ لڑکی انہیں پروفیسر کے سونے کے کمرے میں لے آئی۔

اور پھر ان میں سے کئی اپنی چیخیں نہ روک سکے۔ پروفیسر اپنے پلنگ پر چت پڑا تھا لیکن کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ خون بستر پر جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے بال تیل سے بھیگے ئے تھے اور انہیں بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ شاید ڈاڑھی میں بھی کنگھا کیا گیا تھا۔

فریدی تحیر آمیز نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو! میرے ڈیڈی کتنے اچھے لگتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے ئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ ''وہ سب کے سب بت بنے کھڑے رہے۔''

''میں سوچا کرتی تھی کہ ڈیڈی کے سر میں تیل ڈالوں۔ ان کے بال سنواروں، گھنٹوں ان

کا سر سہلاؤں لیکن وہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بڑے خراب ہیں ڈیڈی۔'' اس
اس طرح منہ بنایا جیسے ڈیڈی سے روٹھ گئی ہو۔ پھر ہنس کر بولی۔ ''مگر...... آج ڈیڈی نے کچھ نہ
کہا۔ میں ایک گھنٹے سے ان کا سر دبا رہی تھی...... دیکھو...... دیکھو...... انہوں نے آج تمہیں
کچھ نہیں کہا...... ورنہ وہ ملنے والوں کو مار بیٹھتے تھے...... میرے ڈیڈی اچھے ہو گئے......!'' ا
نے بچوں کی طرح تالی بجائی اور جھک کر مردہ پروفیسر کی پیشانی چوم لی۔

جنہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ رو پڑیں گے چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔ ان
حمید بھی تھا۔ وہ ایک دوسرے خالی کمرے میں جا کر بے تحاشہ رونے لگا۔

اس کے ذہن کی نہ جانے کون سی گرہ اچانک کھل گئی تھی۔

''یہ تمہارے ڈیڈی ہیں؟'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''ہاں...... ہاں...... تمہیں یقین کیوں نہیں آتا...... میں سمجھ گئی۔'' وہ بچوں کی طرح
کر بولی۔ ''انہوں نے تمہیں مارا نہیں۔ اس لئے تم انہیں ڈیڈی نہیں سمجھتے...... ڈیڈی ا
ہو گئے...... اب وہ کسی سے جھگڑا نہیں کریں گے...... کسی کو نہیں ماریں گے...... میں ڈیڈی
ڈرتی ہوں...... مگر انہوں نے مجھے کبھی نہیں مارا...... دیکھو دیکھو! آج ڈیڈی کے بال کتنے ا
لگ رہے ہیں...... میرے ڈیڈی۔'' اس نے پھر لاش کی پیشانی چوم لی۔

''بی بی ہوش میں آؤ۔'' جگدیش کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں بے ہوش کب ہوں۔ تمیز سے بات کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں عامرہ درا
ہوں۔'' اس نے کہا اور پروفیسر کے سرہانے بیٹھ کر اس کی ڈاڑھی میں کنگھا کرنے لگی۔

فریدی باہر نکل آیا۔ وہ حمید کو تلاش کر رہا تھا۔ اس نے اسے ایک کمرے میں روتے دیکھ
''حمید......!'' فریدی نے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اس نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے
''اس لڑکی کو گھر لے جاؤ...... مسز چودھری کو فون کر کے بلا لینا۔''

حمید کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔

''مرد کے پہلو میں پتھر کا جگر ہونا چاہئے۔'' فریدی نے کہا اور پھر اُسی کمرے میں چلا آ
جگدیش وغیرہ خاموش کھڑے تھے اور عامرہ سر جھکائے ہوئے اپنے مردہ باپ کے بالو

میں کنگھی کر رہی تھی۔

''سنو بیٹی۔'' فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''میں تمہارے ڈیڈی کا دوست ہوں...... کیا تم میرے گھر چلو گی؟''

''ڈیڈی نہیں جانے دیں گے۔'' اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ ''وہ مجھے کہیں نہیں جانے دیتے۔''

''میرے یہاں جانے سے نہیں روکیں گے۔''

''مگر میں ڈیڈی کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی۔''

''ابھی واپس آ جانا...... شاباش...... بڑی اچھی بیٹی ہے۔''

''اچھا آپ کے یہاں ننھے ننھے بچے ہیں۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں...... ہاں......!''

''آپ کی بیوی پیانو پر گیت گاتی ہیں۔''

''ہاں...... تم چلو تو سہی...... سب کچھ ہے۔''

''لیکن میں انہیں کہوں گی کیا......؟'' وہ خود سے باتیں کرنے لگی۔ ''ڈیڈی کے دوست ہیں نا...... بس میں انہیں چچی ماں کہوں گی...... اور بچے کو منا بھیا...... میرا منا بھیا۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح سینے پر رکھ لئے جیسے سچ مچ کسی منا بھیا کو لپٹا رہی ہو۔

''میں چلوں گی۔'' وہ اٹھ کر بولی۔

فریدی اسے لے کر باہر آیا...... پھر اسے حمید کے سپرد کر کے فرانسیسی زبان میں بولا۔ ''داور صاحب کی بیوی اور ان کے چھوٹے بچوں کو بھی بلوا لینا۔'' اور مختصراً اسے سب کچھ بتا دیا۔

''کس زبان میں بول رہے ہیں آپ......؟'' اس نے فریدی سے پوچھا۔

''فرانسیسی میں بیٹی! میں انہیں سمجھا رہا تھا کہ وہ تمہاری چچی ماں سے کہہ دیں گے کہ وہ تمہاری خوب خاطر کریں۔ تمہیں پیانو پر گیت سنائیں۔''

''یہ کون ہیں؟''

''میرے بھائی ہیں۔''

حمید اسے لے کر چلا گیا۔

''اچھا تو میاں جگدیش......!'' فریدی نے کہا۔ ''اب تم آفیسروں کو فون کرنا شروع کردو۔''

''لیکن...... یہ آخر ہوا کیا......؟''

''اس پر فون کرنے کے بعد غور کرنا۔''

آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر کوٹھی میں شہر کے سارے بڑے آفیسر اکٹھا ہو گئے۔

''آپ تلاشی کے لئے آئے تھے؟'' کلکٹر نے جگدیش سے پوچھا۔

''تو پھر یہاں ان کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔'' اس نے فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

''میں اس تلاشی کے سلسلے میں نہیں آیا......؟'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''یہ اور بات ہے کہ میں اور یہ ایک ہی وقت پر یہاں پہنچے۔ میں دراصل پروفیسر چودھری والے کیس کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کل پروفیسر چودھری کے یہاں ایک بند کنوئیں سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے اور ایک انگوٹھی کی بناء پر یہ سمجھا جارہا ہے کہ وہ ڈھانچہ پروفیسر چودھری ہی کا ہے۔ دونوں پروفیسروں کے قریبی تعلقات تھے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ پروفیسر درانی سے مل کر چودھری کے متعلق دریافت کروں......لیکن......اسے بھی کسی نے قتل کردیا۔''

کلکٹر خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اس کی لڑکی کہاں گئی؟ نوکر کہاں ہیں؟''

''لڑکی کا دماغ الٹ گیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''نوکر تھے ہی نہیں......ایک سیکریٹری تھا......وہ بھی لاپتہ ہے۔''

''لیکن لڑکی ہے کہاں؟''

''میرے گھر پر......میں نے اسے گھر بھجوا دیا...... یہاں اس کی موجودگی ٹھیک نہیں تھی۔''

''لیکن آپ نے یہ سب اپنی مرضی سے کیوں کر ڈالا۔''

فریدی اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ شاید وہ اس سوال کا جواب اس سے دلوانا چاہتا تھا۔

''بات یہ ہے۔'' ڈی۔ آئی۔ جی جلدی سے بولا۔ ''انسپکٹر فریدی کے پاس ایک مخصوص اجازت نامہ ہے، جو انہیں اوپر والوں سے ملا ہے۔ مخصوص حالات میں وہ اس کی رو سے ملک بھر

میں کہیں بھی کسی بھی کیس میں دخل انداز ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن کم از کم ہمارا انتظار تو کیا ہوتا۔'' کلکٹر بولا۔

''یقین کیجئے کہ مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور ٹھہرتی تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا اور ہمیں ایک متوقع گواہ سے ہاتھ دھونے پڑتے۔''

تھوڑی دیر بعد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر نے کیمرے سنبھال لئے۔

پورے کمرے کی متعدد تصویریں لی گئیں۔ فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لیکن کوئی کام کی بات دریافت نہ ہو سکی۔ قاتل یا قاتلوں نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ قتل پچھلے بارہ گھنٹوں سے پہلے کسی وقت ہوا۔ اندازہ دس اور گیارہ بجے رات کے درمیان کا تھا۔ دوسری طرف پولیس کی ایک پارٹی کوٹھی کی تلاشی لے رہی تھی۔

فریدی جائے واردات سے ہٹ کر ایک دوسرے کمرے میں آ گیا۔ اس کے ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔

اس نے پرخیال انداز میں سگار سلگایا اور اسے ہونٹوں میں دبائے کھڑا رہا۔ اتنے میں اس کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی اسی کمرے میں آ گیا۔ فریدی نے سگار جلدی سے ہونٹوں سے نکالا اور پشت پر چھپا لیا۔

''تکلفات کی ضرورت نہیں۔'' اس نے کہا اور آگے بڑھ کر سگار پھر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''مجھے تو بہرحال ڈسپلن کا خیال رکھنا چاہئے۔'' فریدی بولا۔

''خیر...... خیر......!'' ڈی آئی جی بزرگانہ انداز میں مسکرایا۔ ''اگر ضدی نہ ہوتے تو شاید اس وقت میں تمہارا ماتحت ہوتا...... ہاں...... چھوڑو، ان باتوں کو...... تمہاری وہ مچھلی تو برآمد نہیں ہوئی۔''

''جناب والا...... وہ محض ایک سٹنٹ تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''سٹنٹ تھا......؟'' ڈی۔ آئی۔ جی نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں...... ہاتھ کی ایک معمولی سی صفائی...... بکری کا سر اور مچھلی کا دھڑ جمانا مشکل کام نہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن......!''

''چودھری والے کیس کے سلسلے میں اس گھر کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔'' فریدی نے اس کی

بات کاٹ کر کہا۔ ''لہٰذا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مگر اب خود اس کا قتل یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس سازش کی ڈور کہیں دور الجھی ہے۔'' فریدی نے اپنی آواز دھیمی کر دی۔

''اس درمیان میں پروفیسر چودھری کی کوٹھی غیر ملکی جاسوسوں کا اکھاڑہ بنی رہی ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' ڈی۔ آئی۔ جی چونک کر بولا۔

''اطمینان سے تنہائی میں بتاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن اسے مصلحتاً ضابطے کی رپورٹ میں نہ دے سکوں گا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' ڈی آئی جی مسکرا کر بولا۔ ''تم کسی کیس کے دوران تفتیش میں کبھی ڈھنگ کی رپورٹ نہیں دیتے۔''

''لیکن میں صرف آپ کو سب کچھ بتادوں گا اور پھر آپ ہی اس کی راز داری کی اہمیت کا اندازہ لگا سکیں گے۔''

ڈی۔ آئی۔ جی چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باقی آفیسر بھی چلے گئے۔ صرف ایک ڈی۔ ایس۔ پی تین سب انسپکٹر اور چند کانسٹیبل رہ گئے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دی گئی۔ باہر پریس رپورٹروں اور پبلک کا ہجوم تھا۔ پروفیسر کے قتل کی خبر آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی تھی اور پھر ریڈیو کی لہروں نے اسے ساری دنیا میں منتشر کر دیا تھا۔

فریدی نے کوٹھی کا پھاٹک بند کروادیا اور پھر اس نے کوٹھی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ ایک گھنٹے کی تھکن کے باوجود بھی ایسی کوئی چیز نہ مل سکی جس سے کسی خاص راستے کی طرف رہنمائی ہو سکتی۔

فریدی کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں عامرہ ہی اپنے باپ کی قاتل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ اس گھر میں ایک طرح سے قید تھی اور قید بھی کیسی؟ قید تنہائی...... وہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا تھا اور نہ کسی کو اپنے گھر میں قدم رکھنے دیتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے تنگ آکر اسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اور پھر اس کے بعد اچانک اس کا دماغ الٹ گیا ہو یا ممکن ہے کہ وہ مصلحتاً خود کو پاگل ظاہر کر رہی ہو۔

دوسری طرف سیکریٹری کا مسئلہ تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ عامرہ یہ بھی نہ بتا سکی تھی

کہ وہ پچھلی رات کو موجود تھا یا نہیں۔ اس کی شخصیت پر بھی کوئی روشنی نہ پڑ سکی۔ وہ کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ مستقل سکونت کہاں تھی؟ اکثر کاغذات پر اس کے دستخط ضرور ملے تھے لیکن دستخط سے نام کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو عام حالات میں دشوار ضرور ہوتا ہے اور پھر اس کے دستخط میں تو حروف سرے ہی سے غائب تھے۔ وہ صرف چند آڑی ترچھی لکیروں سے مرکب تھی۔ عامرہ کی موجودہ ذہنی یا اکتسابی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے۔

کوٹھی پر باقاعدہ پہرہ لگ گیا تھا اور اب ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں سامان کی فہرست بنائی جارہی تھی۔

فریدی کی موجودگی غیر ضروری تھی کیونکہ وہ پہلے اپنے طور پر تلاشی لے چکا تھا۔ وہ گھر واپس آ گیا۔ بیرونی برآمدے میں قدم رکھتے ہی اسے بچوں کے شور کی آواز سنائی دی۔ ڈرائنگ روم میں فریدی کے پڑوسی داور صاحب کے بچے اکٹھا تھے اور عامرہ ان کے سب سے چھوٹے بچے کو گود میں لئے بھینچ بھینچ کر پیار کررہی تھی۔ اس کی عمر سولہ اور اٹھارہ کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن وہ اس وقت ایک ننھی منی سی معصوم لڑکی لگ رہی تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

''آپ آ گئے......آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔ چچی ماں اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے خوب پیار کیا اور یہ منا بھیا۔'' اس نے زور سے بچے کو پیار کیا۔

''میں اسے نہیں دوں گی......ڈیڈی کو بھی یہیں لایئے نا......آپ ڈیڈی کے بہت اچھے دوست ہیں۔''

''ہاں بیٹی! میں انہیں بھی لاؤں گا۔'' فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''مگر آپ چچی ماں سے بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔'' عامرہ نے قہقہہ لگایا۔

''تم نے پیانو پر گیت سنا......؟'' فریدی نے اس کی بات اڑا کر کہا۔

''چچی ماں کو گانا آتا ہی نہیں۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔ ''مگر وہ دوسری جو ہیں انہوں نے گیت سنایا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں بھی تمہاری چچی ہوں۔ کیا وہ آپ کے بھائی کی بیوی ہیں؟''

اتنے میں مسز چودھری اور داور صاحب کی بیوی اندر سے آ گئیں اور دونوں کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ دیر تک روئی تھیں۔ فریدی سوچنے لگا کہ عامرہ مسز چودھری کو نہیں پہچان سکی۔

''عامرہ بیٹی۔'' فریدی نے کہا اور مسز چودھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ''کیا تم نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا......؟''

''نہیں ...... میں نے یہیں دیکھا ہے۔ مگر یہ بہت اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے کئی گیت سنائے تھے...... اب ڈیڈی کو لے آیئے نا...... میرے ڈیڈی یہاں آ کر خوب ہنسیں گے...... آپ نے بندر بھی پال رکھے ہیں وہ ان کی اچھل کود دیکھ کر خوب ہنسیں گے...... مگر...... آپ ان بندروں اور اپنے پرندوں کی کافی دیکھ بھال رکھئے گا ورنہ ڈیڈی انہیں لیبارٹری میں لے جا کر ان کی چیر پھاڑ کر دیں گے۔''

''انہوں نے تمہاری تصویر بھی تو بنائی تھی۔'' فریدی نے پھر مسز چودھری کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں تو...... آپ جھوٹ کہتے ہیں۔''

''ہاں بیٹی...... تمہیں چودھری چچا یاد ہیں؟''

''کون چودھری چچا...... میں نہیں جانتی۔ جایئے! ہم کھیل رہے ہیں۔''

فریدی وغیرہ وہاں سے ہٹ آئے۔ عامرہ بچوں میں کھیل رہی تھی۔

''یک بیک یہ کیا ہو گیا؟'' مسز چودھری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اس لڑکی کی حالت دیکھ کر تو میں اپنا غم بھول گئی ہوں۔''

''وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہے۔'' فریدی بولا۔ ''وہ کئی گھنٹے تک باپ کی لاش کے پاس تنہا رہی ہے۔''

''اس بچی کا اب کیا ہو گا......؟'' مسز داور نے پوچھا۔

''فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا...... حمید کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں!''

فریدی حمید کے کمرے میں آیا۔ وہ ایک آرام کرسی پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کی آہٹ پر چونکا۔

وہ تھوڑی دیر تک عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''مجھ میں اس لڑکی کا سامنا کرنے کی سکت نہیں۔''

''کیا ہوا......؟''

''اسے دیکھتے ہی میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتا......اس کا کیا انتظام کیا جائے۔''

''وہ بعد کو سوچیں گے۔'' فریدی اٹھ کر دروازے کے قریب جاتا ہوا بولا۔ اس نے کاریڈر میں جا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اندر لوٹ آیا اور حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

''مسز چودھری پر اس لڑکی......مگر نہیں...... میں تمہیں ایک بات بتانا بھول گیا تھا......تم نے فون پر مسز چودھری کو سب کچھ بتا دیا ہوگا۔''

''نہیں...... میں نے اسے صرف بلایا تھا۔'' حمید نے کہا۔ ''میں خود بھی مسز چودھری پر اس کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی ایک بات مجھے شروع سے کھٹک رہی تھی کہ اس نے ایک ہی ملاقات پر اس کی تصویر کیسے بنائی تھی۔ لوگ ہفتوں پوز دیتے ہیں تب جا کر کہیں تصویر مکمل ہوتی ہے۔''

''خیر...... یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں......ایک اچھا آرٹسٹ صرف چند گھنٹوں میں مکمل اسکیچ لے سکتا ہے...... یہ مت بھولو کہ اس تصویر میں زیادہ تر تارا چودھری کے تخیل کی رنگ آمیزی ہے۔ بہرحال تم نے بہت اچھا کیا۔ ہاں تو اس پر کیا ردعمل رہا......؟''

''اس نے جیسے ہی عامرہ کو یہاں دیکھا بھونچکی رہ گئی اور سب سے پہلا یہی سوال کیا کہ کیا پروفیسر صحیح الدماغ ہوگیا؟''

''ٹھیک......!''

''اور پھر جب میں نے اسے پورا قصہ بتایا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ عامرہ نے قطعی نہیں پہچانا...... میں نے اسے یہ بھی یاد دلانے کی کوشش کی ......لیکن......وہ یہی کہتی رہی......کہ...... میں نے پہلے کبھی انہیں نہیں دیکھا۔''

''یار بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔'' فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''نشلا ئر کا نام میں

نے پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں سنا تھا اور شلائر پروفیسر درانی کے یہاں بھی دیکھا گیا۔ چودھری کا قتل پراسرار حالات میں ہوا اور پروفیسر درانی کا قتل بھی اس سے کم پراسرار نہیں ہے۔"

"کیوں نہ شلائر کو حراست میں لے لیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت ہم کہاں سے لائیں گے۔ البتہ اس کی کڑی نگرانی ضرور شروع کر دی گئی ہے۔ اس کا انتظام میں نے اسی دن کر لیا تھا جب انور نے مجھے اس کے متعلق اطلاع بہم پہنچائی تھی۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آخر عامرہ کا کیا انتظام کیا جائے...... مسز داور اور مسز چودھری دونوں ہی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے یہ سوچا ہے کہ اسے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کے یہاں پہنچادوں۔ وہاں وہ ہر طرح محفوظ رہے گی اور ان کا خاندان بھی خاصا بڑا ہے۔ چھوٹے بچے بھی کئی ہیں۔"

"یہ بہت اچھا رہے گا۔" حمید نے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک غم کے آثار تھے۔

اندھیرے میں

پروفیسر درانی کی کوٹھی رات کی سیاہ چادر میں لپٹی کھڑی تھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ سامنے کی سڑک سنسان پڑی تھی۔ کبھی کبھی ان سنتریوں کے کھانسنے کھنکھارنے کی آوازیں فضا میں منتشر ہو جاتی تھیں، جن کا پہرہ پروفیسر کی کوٹھی پر لگایا گیا تھا۔ اکثر ان میں سے ایک آدھ بلند آواز میں موسم کی ماں یا بہن سے اپنا رشتہ بھی ظاہر کر دیتا۔ وہ پوری پوری ایمانداری سے اپنے فرائض انجا

دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر کوٹھی کا چکر بھی لگاتے تھے۔ لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ کوٹھی کی پشت پر کیا ہو رہا ہے۔ شاید انہوں نے اس طرف جانا ہی فضول سمجھا تھا۔ کیونکہ دیواریں بہت اونچی تھیں اور ان کی دانست میں کسی آدمی کی دسترس سے قطعی باہر تھیں۔

کوٹھی کی پشت پر دور تک لمبی گھاس کی جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور جھاڑیوں سے ایک آدمی نکل کر کوٹھی کی طرف بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے پہنچ کر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر تک اس کی پرچھائیں دکھائی دیتی رہی پھر وہ یک بیک غائب ہو گیا۔

کچھ فاصلے پر دو آدمی اور جھاڑیوں سے نکلے لیکن وہ زمین پر پیٹ کے بل رینگ رہے تھے۔ ان کا رخ بھی کوٹھی ہی کی طرف تھا۔ ان میں سے ایک رینگتے رینگتے رک گیا۔ دوسرا کچھ آگے بڑھ کر پیچھے کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔

''کیا ہوا......؟''

''ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔'' دوسرے نے کہا۔ ''لیکن اگر یہاں درانی کے بھوت سے شرف ملاقات حاصل ہوا تو......؟''

''حمید! خدا کے لئے......'' پہلا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں کوٹھی کے شمالی سرے پر کچھ دیکھ رہی تھیں۔

''فریدی صاحب! میں آئس کریم ہوا جا رہا ہوں۔''

''چپ......!'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

شمالی سرے سے ایک اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں رک گئے۔ دوسرا سایہ بھی اسی جگہ آ کر غائب ہو گیا جہاں پہلا غائب ہوا تھا۔ فریدی ایک گڑھے میں رینگ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ انہوں نے تین سائے اور دیکھے وہ بھی کوٹھی ہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دیوار کے نیچے پہنچ کر وہ زمین پر لیٹ گئے اور تیسرا دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دیوار کی جڑ میں روشنی کا ایک دھبہ دکھائی دیا۔ وہ دونوں غائب ہو چکے تھے۔ تیسرا بدستور دیوار

کے سہارے کھڑا رہا۔

''آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں...... یار لوگ۔'' حمید اپنے سردی سے بجتے ہوئے دانتوں پر قابو پا کر آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ اس کی نظریں اس آدمی پر جمی ہوئی تھیں، جو ابھی تک دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔

''نقب......!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''مگر انہوں نے نقب لگائی کس وقت۔ پہلا آدمی دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا تھا۔''

''اور ہم دونوں بھی۔'' حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔ ''اگر تھوڑی دیر اور اسی طرح پڑے رہے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائیں گے۔''

''چپ......!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تول رہا تھا۔

''ارے......ارے......!'' حمید سہم کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا اور فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''ابے تجھے نہیں مار رہا ہوں......خدا کی قسم تم بڑے سُور ہو۔ آئے کیوں تھے؟''

''تو کیا آپ اسے مار رہے ہیں۔'' حمید نے سائے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں......بکو نہیں۔''

''شاید آپ کو مجھ سے زیادہ سردی لگ رہی ہے۔'' حمید اس کا پتھر والا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

''کیوں......؟''

''اگر پتھر اسے لگنے کے بجائے دیوار سے لگا تو......؟''

''مجھے اعتماد ہے کہ وہ اس کے سر ہی پر لگے گا۔''

''تب تو آپ کو بخار بھی معلوم ہوتا ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر فرض کیجئے یہ پتھر اس کے سر پر بھی پڑا تو وہ اس قابل نہ رہ جائے گا...... کہ بعد کو ہم اسے شناخت کر سکیں۔''

''اس کے علاوہ اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ دیکھتے نہیں کہ اس کی پشت دیوار سے لگی ہے اور چہرہ ہماری طرف ہے۔''

''اگر آپ اس کا بصدق دل اعتراف کریں کہ حمید دنیا کا سب سے بڑا سراغ رساں ہے تو

میں کوئی نئی تدبیر سوچ سکتا ہوں۔''

''نہ صرف دنیا.....مریخ، زہرہ، عطارد مشتری وغیرہ کے سب سے بڑے اُلو ہو۔''

''چلئے خیر یہی سہی۔ میں اسے دیوار کے پاس سے ہٹانے جا رہا ہوں اور میرا ڈکشن کہتا ہے کہ وہ ریوالور نہیں استعمال کرے گا۔ کیونکہ دوسری طرف مسلح پہرہ ہے۔''

''حمید صاحب! اسکریو نہ ڈھیلے ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیا تمہیں وہ زہریلے تیر یاد نہیں؟''

''مجھے یقین ہے کہ اس کے پاس کمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تیر ریوالور کی نال میں رکھ کر نہ پھینکے جاتے ہوں گے۔ آپ آخر ڈرتے کیوں ہیں؟''

فریدی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو گھورنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ حمید ہی بول رہا ہے یا اس کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے۔

''شاید آپ پر گارساں کا خوف بُری طرح مسلط ہو گیا ہے۔'' حمید پھر بولا۔

''حمید پیارے......'' فریدی تحیر آمیز لہجے میں آہستہ سے بولا۔ ''کیا واقعی تم اس وقت اسی موڈ میں ہو یا محض زبان طراری ہے؟''

''بات صرف اتنی سی ہے مرشد و مولائی کہ میں اپنا خون کھولا کر سردی مٹانے کی کوشش کر رہا ہوں......لیکن خیر......تیار ہو جایئے......میں اسے میدان میں لاتا ہوں......'' حمید نے کہا اور گڑھے کے باہر رینگ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ ذرا سا ابھرا اور پھر لیٹ کر رینگنے لگا۔ فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ آگے کی طرف جھکا ہوا شاید حمید کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ بھی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا اور حمید کی طرف تیزی سے رینگنے لگا۔ فریدی تیار تھا جیسے ہی وہ گڑھے کے قریب پہنچا اس نے اچھل کر اس کی گردن دبوچ لی۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا لیکن وہ آدمی بھی کم طاقت ور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اگر حمید نے بھی آگے بڑھ کر اس کے سر پر ریوالور کا دستہ نہ رسید کر دیا ہوتا تو شاید وہ فریدی کی گرفت سے نکل ہی گیا تھا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ٹائیاں کھولیں اور اس کے ہاتھ پیر جکڑ کر اسے گڑھے میں ڈال دیا۔ دفعتاً حمید کو پھر کچھ یاد آیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر اسکے منہ میں ٹھونس دیا اور فریدی کے رومال سے اس کے ہونٹوں پر پٹی سی باندھتا ہوا بولا۔

''اب اس کی روح کم از کم منہ کی طرف سے تو نہ نکل سکے گی۔''

''اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے...... خیر میں تمہیں کم از کم سو روپے عیاشی کے لئے ضرور دوں گا۔''

''خدا آپ کے بال بچوں کو بھی عیاشی نصیب کرے۔'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

اور پھر وہ دونوں تیزی سے دیوار کے نیچے پہنچے۔ یہ دیوار پتھر کی تھی۔ پتھر کی بڑی بڑی سلیں جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ نیچے بنیاد سے ملی ہوئی ایک سل نکال دی گئی تھی اور ایک آدمی بہ آسانی رینگ کر اندر جا سکتا تھا۔

''تم باہر ہی ٹھہرو......!'' اس نے حمید سے کہا۔ ''کوئی نکل کر جانے نہ پائے۔''

''اسی بات پر ایک گندی سی مثل یاد آ رہی ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔ ''مگر...... خیر...... میں اسے دہراؤں گا نہیں...... ممکن ہے اسی وقت شہادت نصیب ہو جائے۔''

فریدی اسے باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہ ایک تاریک راہداری میں تھا۔

چونکہ دن ہی میں اس نے یہ عمارت اچھی طرح دیکھ لی تھی اس لئے اسے یہ معلوم کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ کوٹھی کے کس حصے میں ہے۔ پوری عمارت تاریک پڑی تھی اور کہیں بھی کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ربر سول کے جوتے پہن رکھے تھے اس لئے وہ قدموں کی آواز پیدا کئے بغیر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا...... دفعتاً وہ چونک پڑا...... ممکن ہے کہ وہ محض واہمہ رہا ہو۔ کیونکہ اس نے دبی سی نسوانی چیخ سنی تھی لیکن یہ معلوم کرنا دشوار تھا...... کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

راہداری سے نکل کر وہ ایک گیلری میں آیا۔ پھر بڑے ہال کی طرف مڑ ہی رہا تھا کہ اُسے پھر وہی چیخ سنائی دی۔ اس بار اس نے آواز کا رخ معلوم کر لیا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے نیچے آدمی کھڑے کمرے کے اندر جھانک رہے تھے اور وہ آواز اسی کمرے سے آئی تھی۔ فریدی قریب ہی کے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔

یہ عمارت مغربی اور مشرقی طرز کا ایک دلکش امتزاج تھی۔ باہر سے تو وہ ایک خالص مغربی طرز کی عمارت معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے اندر بھی صحن تھا اور اسے بڑی خوبصورتی سے بنایا

تھا۔ یہ صحن دائرے کی شکل میں تھا۔ جس کے چاروں طرف گیلری تھی اور گیلری کے بعد برآمدے میں پھر کمروں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جن کے درمیان کئی طویل راہداریاں تھیں۔ اگر کوئی کمروں کی چھت پر سے صحن کی طرف دیکھتا تو وہ اسے ایک وسیع کنواں معلوم ہوتا۔

تاروں کی دھندلی روشنی نے نہ صرف صحن بلکہ برآمدوں کو بھی نیم تاریک کر دیا تھا اور فریدی کو وہ دونوں آدمی صاف نظر آرہے تھے۔

''پیچھے ہٹو......!'' وہی نسوانی آواز پھر سنائی دی اور فریدی کو دفعتاً اس لڑکی کی آواز یاد آ گئی جو اسے اور حمید کو چرکا دے کر ٹرانسمیٹر نکال لے گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں ریوالور خالی ہے۔'' ایک مرد کی آواز آئی۔ لیکن وہ بھی انگریزی ہی میں بولا تھا اور اس کا لہجہ بھی غیر ملکی ہی تھا۔

''پیچھے ہٹو......!'' وہ پھر چیخی۔ تھوڑے وقفے کے بعد کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور ایک فائر ہوا۔ لیکن آواز اتنی ہلکی تھی کہ کوٹھی کے باہر والوں نے شاید ہی سنا ہو اور وہ چیخ...... بڑی دلخراش تھی۔ شاید اس لڑکی نے مرد کا خاتمہ کر دیا تھا۔

وہ دونوں آدمی جو کھڑکی کے نیچے کھڑے تھے کمرے کے دروازے کے قریب آ گئے۔ کوئی جھپٹ کر کمرے سے نکلا لیکن ان دونوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔

''ریوالور چھین لو......!'' ایک بولا۔

تھوڑی سی جدوجہد ہوئی اور لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ شاید دوسرے نے ریوالور چھین لیا تھا۔

''اسے کمرے میں لے چلو'' ایک نے کہا۔ یہ دونوں بھی انگریزی ہی میں گفتگو کر رہے تھے۔

وہ دونوں اسے اسی کمرے میں گھسیٹ لے گئے جس سے وہ نکلی تھی اور فریدی آہستہ سے کھڑکی کے قریب آ گیا۔

''روشنی کرو...... دیا سلائی جلا کر سوئچ ڈھونڈھ لو......!'' مردانہ آواز سنائی دی۔ فریدی ایک طرف ہوگیا۔

پہلے دیا سلائی جلی پھر کمرے کا بلب روشن ہوگیا۔

اور پھر فریدی نے وہ منظر دیکھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''سنہری بھیڑیئے۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

وہ لڑکی حقیقتاً وہی تھی جس نے اسے اور حمید کو اُلو بنایا تھا۔ وہ دونوں آدمی کافی قوی ہیکل اور خونخوار چہروں والے تھے۔

''لاؤ نکالو...... کیا لے جارہی تھیں۔'' ان میں سے ایک بولا۔ وہ دونوں اس لاش کی طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آرہے تھے، جوان کے پیروں کے قریب ہی پڑی تھی۔ فریدی کو اس کے پیر صاف نظر آرہے تھے۔

''میں تم سے بالکل خائف نہیں ہوں۔'' لڑکی نے کہا۔

دونوں زور سے ہنسے اور پھر دوسرا بولا۔ ''لڑکی...... ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں ننگا کریں۔ تم خود ہی نکالو۔''

''میں کچھ نہیں لے جارہی ہوں۔ یہ مجھے زبردستی یہاں پکڑ لایا تھا۔'' لڑکی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

دونوں نے پھر قہقہہ لگایا۔

''یہ کون ہے؟'' پہلے نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''ہم جانتے ہیں...... اور تم بھی جانتی ہو...... مگر بے بی تم کون ہو اور کس کے لئے کام کر رہی ہو؟''

''تم لوگ نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ میں نے ایک ایسے آدمی کو گولی ماری ہے جس نے مجھ پر مجرمانہ حملہ کیا تھا۔''

''لاؤ نکالو وہ ڈائری۔'' پہلا گرج کر بولا۔ ''تم جانتی ہو کہ تم نے شلائر کو قتل کیا ہے...... یہ بھی جانتی ہو کہ شلائر نے پچھلی رات کو اسی ڈائری کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔ چلو بتاؤ کہ کس کے لئے کام کر رہی ہو؟''

''تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' لڑکی جھلا کر بولی۔

''چلو ڈک جلدی کرو۔'' پہلے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور بھی ہوں۔''

''وہ اندر نہ آسکیں گے۔ جیک دس پر اکیلا بھاری رہے گا۔ چلو لڑکی۔ نکالو جلدی ......تم بہت خوبصورت ہو۔ ہم زبردستی نہیں کریں گے۔''

دفعتاً فریدی نے اپنی پشت پر قدموں کی آوازیں سنی اور کھڑکی سے ہٹ کر برابر والے کمرے میں گھس گیا۔ جو تاریک تھا۔ آنے والے چار تھے۔ ان میں سے ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔

''ہینڈز اپ......!'' دوسرے لمحے میں فریدی نے ایک گرجدار آواز سنی اور ساتھ ہی لڑکی کا قہقہہ بھی کمرے میں گونجا۔

''اچھا سنہرے بھیڑیو۔'' اس نے تیز آواز میں کہا۔ ''اگر پہچان سکتے ہو تو پہچان لو...... میں انہیں کے لئے کام کر رہی ہوں۔''

فریدی کا سر چکرانے لگا۔ وہ حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر یہ چاروں کدھر سے آئے۔ ظاہر ہے کہ اس نقب کے علاوہ کوئی اور راستہ اندر آنے کا نہیں تھا...... کیا حمید؟ کیا یہ اسے ختم کرکے آئے ہیں؟ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا...... لیکن وہ وہاں سے ہٹ نہ سکا...... معاملہ کسی ایسی ڈائری کا تھا جس کے لئے پروفیسر قتل کا گیا تھا۔

فریدی انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مار پیٹ اور دھول دھپے کی آواز سنائی دی۔ کسی نے چیخ کر کہا۔ ''ایڈنا...... تم نکل جاؤ۔''

فریدی کمرے سے برآمدے میں کھسک آیا۔ صحن میں وہ سب ایک دوسرے پر پل پڑے تھے اور لڑکی تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آ رہی تھی۔ فریدی دیوار سے چپک گیا جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچی وہ تیزی سے آگے جھکا۔ پھر اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا اور دوسرا بلاؤز کے اندر...... اس نے ڈائری نکال کر اپنی جیب میں ڈالی اور لڑکی کو کمر پر لاد لیا۔ یہ سب اتنی پھرتی سے ہوا کہ لڑکی اپنی گلوخلاصی کے لئے ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکی۔ اس نے اس کا منہ ابھی تک دبا رکھا تھا۔

اوپری منزل پر پہنچ کر اس نے اسے نیچے اتارا۔

''لڑکی......اگر شور مچاؤ گی تو میں گلا گھونٹ کر تمہیں مارڈالوں گا۔'' اس نے جھٹکے دار لہجے میں کہا۔ بہرحال ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی جرمن انگریزی بول رہا ہو۔ لڑکی بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر فریدی نے اس کی دونوں کنپٹیاں دبائیں اور وہ لہرا کر اس کے بازوؤں میں آ رہی۔ وہ بیہوش ہوگئی تھی۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال دیا اور کمرے کے دروازے کو باہر سے بند کر کے تیسری منزل کی طرف لپکا۔ نیچے سے بدستور آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید ابھی تک ان کی کش مکش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

تیسری منزل کی چھتیں سپاٹ تھیں۔ فریدی بے تابی سے پشت والے حصے کی طرف بڑھا۔ اسے حمید کے لئے پریشانی تھی اور یہ پریشانی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جارہی تھی۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا کوئی اسی جگہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا جہاں اس نے حمید کو چھوڑا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ کہیں وہ انہیں چاروں کے ساتھیوں میں سے نہ ہو، جو بعد میں آئے تھے۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اپنے مخصوص انداز میں آہستہ آہستہ سیٹی بجائی۔ دیوار سے چپکا ہوا آدمی الگ ہٹ گیا۔ شاید وہ اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر سیٹی بجائی اور نیچے سے اس کا جواب آیا۔ فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے فاؤنٹین پن نکالا۔ جیب سے وہ ڈائری نکال کر اس میں سے ایک سادہ ورق پھاڑا اور ٹارچ کی روشنی میں لکھنے لگا۔ ''فوراً پہرے والوں کی طرف جاؤ اور تین چار آدمیوں کو لے کر برآمدے میں آ جاؤ......میں دروازہ کھولتا ہوں۔''

پھر وہ کوئی چھوٹی سی وزنی چیز ڈھونڈھنے لگا جس سے اس کاغذ کو لپیٹ کر نیچے پھینک سکے۔ چھت پر اکھڑے ہوئے پلاسٹر کے بہت سے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے ایک اٹھالیا۔

ٹارچ کی روشنی میں فریدی کی تحریر نیچے پہنچ گئی۔ حمید نے اسے اٹھا کر سگار لائٹر کی روشنی میں پڑھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر وہاں سے چل پڑا۔

فریدی تیزی سے نچلی منزل پر آیا۔ ان آدمیوں کی ہاتھا پائی اور غراہٹ ابھی تک جاری تھی۔ فریدی ہال سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں آیا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا

حمید دس پندرہ مسلح سپاہیوں کے ساتھ برآمدے میں موجود تھا۔ اس دوران میں اتفاق سے پولیس کی ایک گشتی لاری بھی آ گئی تھی اور اس سے بھی کچھ مدد مل گئی تھی۔ وہ سب اندر داخل ہوئے مگر صحن میں سناٹا تھا۔ انہوں نے ٹارچیں روشن کیں۔ دو آدمی فرش پر اوندھے پڑے دکھائی دیئے۔ ان کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے نیلے پڑ گئے تھے۔ یہ وہی دونوں تھے جنہوں نے لڑکی کو پکڑا تھا۔ وہ چاروں انہیں بے دم کر دینے کے بعد شاید اس خیال کے تحت نکل گئے تھے کہ لڑکی بحفاظت اپنے ٹھکانے پہنچ گئی ہوگی۔

فریدی ان دونوں کو حراست میں لینے کے لئے کہتا ہوا اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔

''میرے بعد آنے والے چار آدمی نہ جانے کدھر سے آئے تھے۔'' فریدی نے کہا۔

''اسی طرف سے جہاں آپ نے مجھے کھڑا کیا تھا۔'' حمید بولا۔ ''میں نے انہیں راستہ تو دے دیا تھا لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ سب مل کر آپ کی چٹنی نہ بنا دیں۔''

''بھلا راستہ کس طرح دیا تھا......؟'' فریدی نے کہا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ ''ارے میں نے انہیں وہ لاش تو دکھائی ہی نہیں۔''

''کون سی......؟''

''شلائر کی لاش......!''

''کیا یہاں......!''

''ہاں......!'' فریدی نے اوپری منزل پر پہنچ کر اس کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا جس میں وہ لڑکی بند تھی۔

جیسے ہی فریدی نے ٹارچ کی روشنی ڈالی حمید بیساختہ اچھل کر بولا۔ ''ارے! آپ ہیں۔''

پھر اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر اسے اٹھایا اور کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ دونوں پھر نیچے اترنے لگے۔

''ہاں کس طرح راستہ دیا تھا......؟'' فریدی نے پوچھا۔

''بھق......پھر بتاؤں گا......!'' حمید تھوک نگل کر رہ گیا۔

''بیٹے زیادہ دماغ خراب نہ ہو۔''

نیچے پہنچ کر فریدی نے لڑکی کو بھی پولیس والوں کے سپرد کرنا چاہا لیکن حمید پھیل گیا۔ فریدی کو الگ لے جا کر کہنے لگا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں......؟''

''میں انتقام ضرور لوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''پاگل ہوا ہے؟ ابے اُلو...... جو کچھ تو نے سوچا ہے اسے انتقام نہیں احسان کہتے ہیں۔ کسی عورت سے انتقام لینے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس کی گود کا بچہ چھین کر اسی کے سامنے اس کی ٹانگیں چیر ڈالی جائیں۔''

''نہیں...... میں تو......!''

''چپ رہو...... گندے...... سُوّر......!''

فریدی نے شلائر کی لاش بھی اٹھوا دی۔ وہ دونوں ابھی تک بیہوش تھے۔ البتہ لڑکی ہوش میں آ گئی تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پولیس والوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ہیلو سوئیٹی......!'' حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔ ''اس وقت خاموش کیوں ہو۔''

لڑکی نے سر جھکا لیا۔

''ان سب کو لے جایئے۔'' فریدی نے گشتی لاری کے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''کڑی نگرانی میں رکھیے گا۔ میں ابھی کوتوالی میں آ کر مفصل رپورٹ دوں گا۔''

دو مسلح کانسٹیبل فریدی اور حمید کے ساتھ رہ گئے۔ فریدی نے مختصراً سارا واقعہ حمید کو بتا کر کہا۔ ''شاید وہ نقب پچھلی ہی رات کو لگائی گئی تھی اور شلائر نے اسی کے ذریعے اندر داخل ہو کر پروفیسر کو ختم کیا تھا۔ مگر وہ کم بخت سیکریٹری کون تھا...... اور کہاں غائب ہو گیا۔ انور نے شلائر کو اسی سے تو گفتگو کرتے دیکھا تھا۔''

''اور وہ بڑا......!''

''چپ......!'' فریدی نے حمید کی بات کاٹ دی۔ ''اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔''

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اسی کمرے میں آ گئے جہاں سے شلائر کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ یہاں ٹائیلز کا فرش تھا۔ انہیں ایک کونے کا ایک ٹائیل اکھڑا ہوا دکھائی دیا۔ فریدی نے خالی جگہ میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ ایک زمین دوز خانہ سا نظر آیا۔

''وہ یہیں تھی۔'' اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا اور اکھڑے ہوئے ٹائیل کو پھر اس کی جگہ پر جما دیا۔ دونوں پولیس والے کمرے کے باہر تھے۔ وہ دونوں بھی روشنی گل کر کے کمرے سے نکل آئے۔

''او مائی لارڈ......'' فریدی اپنا سر تھپتھپا کر بولا۔ ''آج دماغ نہ جانے کہاں ہے۔ ہم اسے تو بھول ہی گئے جسے گڑھے میں ڈال آئے تھے......لاحول ولاقوۃ۔''

وہ بیرونی دروازہ بند کر کے اسی نقب کے ذریعہ کوٹھی کی پشت پر پہنچے۔ گڑھے میں وہ آدمی بدستور موجود تھا اور اسی طرح بندھا ہوا چاروں طرف لڑھکتا پھر رہا تھا۔

''زیادہ جوش نہیں میرے سنہرے بھیڑیئے۔'' فریدی نے کہا اور سپاہیوں کی طرف مخاطب ہو کر اردو میں بولا۔ ''اسے بھی اٹھاؤ......اسے بحفاظت کوتوالی تک پہنچانا تمہارا کام ہے۔ میں ایک خط دے رہا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید مدہم سروں میں سیٹی بجاتے سڑکیں ناپ رہے تھے۔

''بہرحال تین سنہرے بھیڑیئے بھی پکڑے گئے جن میں ان کا سرغنہ بھی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''سنہرے بھیڑیئے......کیا مطلب......؟''

''کیا یورپ کے سنہرے بھیڑیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''فریڈرک اینڈ کو......!'' حمید نے کہا۔ ''وہ جو مسولینی کو اتحادیوں کی قید سے نکال لے گئے تھے۔''

''وہی......ان دونوں قیدیوں میں سے ایک فریڈرک ہی ہے۔''

''نہیں......!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں صاحب زادے۔ مجھے حیرت ہے کہ آخر یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں اور پتہ نہیں

ابھی اور کتنے ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم پھر کچھ دنوں کے لئے بہت بڑے آدمی ہونے والے ہیں۔"

دونوں خاموش چلتے رہے۔ حمید پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اس لڑکی کا مجھے قیامت تک افسوس رہے گا۔"

"پھر کیڑے کلبلائے...... دوں گا ایک تھپڑ۔"

"وہ سو روپے کب دلوا رہے ہیں؟"

فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک کار تیزی سے آ رہی تھی اور اس کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی سڑک پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں بائیں طرف سرک گئے۔ کار ان کے قریب پہنچ کر اچانک بائیں طرف مڑی اور فوراً ہی رک گئی۔ وہ دونوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئے اور ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ کار سے کسی نے انہیں للکارا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

ان کے ہاتھ اس طرح اٹھ گئے جیسے وہ کسی مشینی عمل کے تحت اٹھے ہوں۔ چار آدمی کار سے اترے۔ پانچواں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

"وہ ڈائری نکالو۔" ان میں سے ایک اکھڑی اکھڑی انگریزی میں بولا۔

"وہ تو گئی۔" فریدی نے بیساختہ کہا۔

"ان کی تلاشی لو۔" ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی نیچے اترتا ہوا بولا۔

"وقت مت برباد کرو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اس وقت تک کوتوالی کی تجوری میں پہنچ چکی ہوگی۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کیا سمجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ چار چار ریوالوروں کی نالیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں کوئی چال کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ لوگ تلاشی لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

پانچویں نے فریدی کی جامہ تلاشی لی اور پھر حمید کا جسم ٹٹولنے لگا۔

"نہیں ہے۔" پانچواں آدمی غرایا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔"

وہ پانچوں کار میں بیٹھ گئے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید نے اپنے ہاتھ گرا دیئے۔

لیکن فریدی بدستور اٹھائے رہا۔

''کیا سو گئے؟'' حمید اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ ڈائری ہے کیا بلا۔'' فریدی اپنے ہاتھ گرا کر بولا۔

''لیکن وہ ہے کہاں؟ میرے خیال سے اسے آپ نے ان لوگوں کو تو دیا نہیں تھا۔''

''وہ وہیں ہے جہاں پہلے تھی۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''یعنی......؟''

''پروفیسر کی کوٹھی میں......اسی زمین دوز خانے میں......میں اتنا احمق نہیں کہ اسے ساتھ لئے پھروں......لیکن ان کے فرشتے بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ وہ اب بھی وہیں ہے۔ پتہ نہیں اس میں کیا ہے۔''

نئی مصیبت

دوسرا دن سبھی کے لئے تحیر خیز تھا۔ وہ لڑکی سخت پہرے کے باوجود بھی حوالات سے غائب ہوگئی تھی۔ دوسروں کی نظروں میں تو یہ معاملہ انتہائی پراسرار تھا لیکن فریدی اور حمید اچھی طرح جانتے تھے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتے تھے۔ فریدی کے ایماء پر پہرے والے تین سپاہیوں کو حراست میں لے لیا گیا اور پھر جب ان پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا تو انہوں نے حقیقت ظاہر کردی۔ اس لڑکی نے ان پر بھی اپنا پرانا حربہ ستعمال کیا تھا اور انہیں بھی جل دے کر بے داغ نکل گئی تھی۔

مقامی اخبارات کے غیر معمولی ضمیمے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے تھے۔ پروفیسر رانی ہی کا قتل کم پراسرار نہ تھا پھر اس کی ویران کوٹھی غیر ملکی جاسوسوں کی موجودگی اور ان کی مشتبہ

نقل و حرکت۔ ایک غیر ملکی جاسوس کی لاش دنیا کے مشہور شاطر فریڈرک اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری۔ ان سب واقعات نے اخبار والوں کے لئے اچھا خاصا مواد مہیا کر دیا تھا وہ نت نئے انداز سے ان پر نہ صرف اظہار خیال کر رہے تھے بلکہ بہت سے عجیب و غریب فیصلے بھی شائع کر دیئے تھے۔ لیکن گارساں کا کہیں تذکرہ نہیں تھا۔ اس کے متعلق فریدی، حمید انور رشیدہ اور محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ کسی اور کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ یہ بھی فریدی کی خوش نصیبی ہی تھی کہ اتفاق سے گارساں کا ٹرانسمیٹر اس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور وہ اس کی ساخت کے متعلق پہلے ہی سے تھوڑی بہت معلومات رکھتا تھا۔ ورنہ شاید اس کے فرشتوں کو بھی گارساں کی ہوا تک نہ لگتی۔ کیونکہ وہ جاسوس جو اس کے خلاف نبرد آزما تھے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ پچھلی رات کو فریڈرک اور اس کے ساتھی نے اس لڑکی سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس کے لئے کام کر رہی ہے ممکن ہے کہ مرنے والے شلائر کو بھی اس کا علم نہ رہا ہو کہ وہ کس سے لڑ رہا ہے۔

فریڈرک اور اس کی دوسرے ساتھی کی حالت ابتر تھی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ بچ نہ سکیں گے۔ ان کا تیسرا ساتھی جسے فریدی اور حمید نے باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا تھا کوئی ایسی بات نہ بتا سکا جس سے چودھری یا درانی کے معاملات پر روشنی پڑتی۔ وہ برابر یہی کہے گیا کہ اسے اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریڈرک ان کا سرگروہ تھا۔ اس کے گروہ کے پانچ آدمی ابھی تک آزاد تھے۔ لیکن وہ ان کی نشاندہی نہ کر سکا۔ پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے نادانستہ طور پر یہ بات ظاہر کر دی کہ ٹرانسمیٹروں پر سنے جانے والے عجیب و غریب اشارات اسی کے گروہ والوں سے تعلق رکھتے تھے۔

پروفیسر درانی کا سیکریٹری ابھی تک لاپتہ تھا۔ اس کے متعلق تو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا تھا کہ وہ پروفیسر درانی کے پاس کب سے تھا۔ ممکن تھا کہ عامرہ اس پر روشنی ڈالتی لیکن وہ بھی اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی تھی۔ فریدی نے اپنی اسکیم کے ماتحت اسے ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں پہنچا دیا تھا اور وہ اب ذہنی امراض کے ایک ماہر کے زیر علاج تھی۔

فریدی اور حمید دن بھر مصروف رہے۔ لڑکی کے نکل جانے کا انہیں بے حد افسوس تھا۔ حمید اس مسئلے پر بار بار اسے چھیڑ رہا تھا۔

''جناب والا! اگر آپ میرے مشورے پر عمل کرتے تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔'' وہ بار بار یہی جملہ دہراتا تھا۔

شام کو پھر انہوں نے پروفیسر درانی کی کوٹھی کا رخ کیا۔ فریدی اس ڈائری کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ دن بھر وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے کوٹھی میں قدم رکھا پچھلی رات کے سارے واقعات ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ اس کمرے کے دروازے جس میں اس نے ڈائری رکھی تھی اب بھی کھلے ہوئے تھے۔ فریدی نے آگے بڑھ کر فرش سے ٹائیل ہٹایا اور پھر...... اگر وہ یکلخت اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس زمین دوز خانے سے پھن کاڑھ کر اچھلنے والے سانپ نے سے ڈس ہی لیا تھا۔ حمید تو بوکھلا کر میز پر چڑھ گیا۔ دونوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس نپ کو گھور رہے تھے، جو خانے سے نکل آنے کی جدوجہد میں مشغول تھا۔

''یار شاید پھر چوٹ ہوگئی۔'' فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ سانپ کو مار ڈالنے کے بعد وہ اس خانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ڈائری ئب تھی۔ البتہ تہہ میں انہیں ایک لفافہ دکھائی دیا۔ فریدی نے اسے نکالا اوپر اسی کا نام تحریر تھا۔ وہ اور حمید لفافے سے برآمد ہونے والے خط پر جھک پڑے۔

''مسٹر فریدی!

اپنے دو چار معمولی کارناموں پر پھول جانے والے عموماً احمق ہوا کرتے ہیں۔ تم خود کو دنیا کا زیرک ترین آدمی سمجھنے لگے تھے اس لئے تمہارے لئے ایک دوسری ہلکی سی چپت تجویز کی جاتی ہے اول تو میں یہی سمجھتی ہوں کہ تمہیں یہ سانپ ہی نہ چھوڑے گا لیکن اگر بدقسمتی سے بچ گئے تو یہ خط دیکھ کر ضرور سوچو گے کہ وہ تمہیں ڈس ہی لیتا تو بہتر تھا۔ میں تمہیں یہ تعزیت نامہ محض اس لئے لکھ رہی ہوں کہ مجھے بے وقوف آدمیوں سے دلچسپی ہے اور پھر تم تو صرف بیوقوف ہی نہیں بلکہ کافی حسین بھی ہو۔ جاہلوں کی سی شجاعت بھی رکھتے ہو۔ بہرحال میں جب تک تمہارے دیس میں ہوں تم میں ضرور دلچسپی لیتی رہوں گی...... اگر مجھ سے ملنا چاہو

تو چاند ماری کے میدان میں آج رات کو بارہ بجے مل سکتے ہو۔ میں وہاں تنہا ہوں گی۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ تم بھی تنہا آنا...... خیر...... پوشیدہ طور پر کم از کم پندرہ بیس آدمی ضرور ساتھ لانا...... یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں تم اکیلے کے بس کا روگ نہیں۔ تمہاری جاہلانہ شجاعت سے توقع ہے کہ وہ تمہیں آج رات کو چاند ماری کے میدان میں ضرور لائے گی۔ اپنے اُس احمق ترین ساتھی کو ہرگز نہ لانا جسے دیکھ کر مجھے بارش میں بھیگے ہوئے اُلو یاد آ جاتے ہیں۔

وہی لڑکی''

آخری جملے پر حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کو گھورنے لگا جس کے چہرے پر غصہ کے آثار کی بجائے مسکراہٹ تھی۔

''یہ سب کچھ آپ کی بدولت ہوا'' حمید بھنا کر بولا۔ ''اگر آپ نے اسے میرے سپرد کر دیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔''

''چھوڑو یار......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس خط نے...... مجھے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ خدا کی قسم اگر یہ خط اسی لڑکی کا ہے تو مجھے اس پر پیار آنا چاہئے۔''

''اور اگر اس کے باپ نے لکھا ہے تو مجھے پیار آنا چاہئے۔'' حمید جل کر بولا۔

''آؤ چلیں......!'' فریدی نے کہا۔

''میرا تو یہیں دفن ہونے کو دل چاہتا ہے۔''

''یار ہٹاؤ بھی...... دل چھوٹا مت کرو۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم بھیگے ہوئے اُلو قطعی نہیں معلوم ہوتے۔''

''لیکن اس نے آپ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے حرف بحرف مجھے اتفاق ہے۔''

''مجھے فی الحال تم سے اتفاق ہے۔'' فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

یخ بستہ شام ہولے ہولے سیاہیوں میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں کیڈی لاک میں بیٹھ گئے لیکن فریدی اس کا تصفیہ نہ کر سکا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔

کافی دیر تک وہ یونہی بلا مقصد اِدھر اُدھر مارے پھرے۔

''خیر...... یہ ایسا حادثہ نہیں کہ ہم میں سے کسی کا دماغ چل جائے۔'' حمید نے فریدی کو ٹوکا۔

''آخر اس ڈائری میں کیا تھا......؟'' فریدی چونک کر بڑبڑایا۔

''ڈاڑھی میں عموماً بال ہوا کرتے ہیں۔''

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اسٹیئرنگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ خط بھی مجھے خالی از علت نہیں معلوم ہوتا'' فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''یعنی یہ محض مذاق نہیں ہے۔''

''یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ آج رات چاند ماری کے میدان میں ضرور تشریف لے جایئے گا۔''

''ارادہ تو یہی ہے۔''

''یعنی اس کے الفاظ میں آپ اپنی جاہلانہ شجاعت کا مظاہرہ کریں گے۔''

''یہی سمجھ لو۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''اس نے آپ کے حسن کی بھی تو تعریف کی ہے۔''

''اور تم اس لئے نہ جاؤ گے کہ وہ تمہیں بارش میں بھیگا ہوا اُلو سمجھتی ہے۔''

''خیر...... میری بات تو کیجئے مت۔'' حمید نے کہا۔ ''میں کہیں بھی آنکھ بند کر کے کودنے کا قائل نہیں ہوں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

''یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے اس ڈائری کے متعلق کوئی رپورٹ نہیں دی تھی ورنہ اور زیادہ خفت اٹھانی پڑتی۔''

''آپ کو اسے وہاں چھپانا ہی نہ چاہئے تھا۔'' حمید نے کہا۔

''حقیقتاً میں اس وقت یہ بھی بھول گیا تھا کہ مقابلہ گارساں سے ہے۔''

''ماریئے گولی۔'' حمید اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ''مجھے اب اس کیس سے بالکل دلچسپی نہیں رہی۔''

''کیوں......؟''

''اتنی شاندار شکست کی بعد بھی آپ یہ سوال کرتے ہیں۔''

''یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ تم اسے شکست کس طرح کہہ سکتے ہو جبکہ ہمیں یہ تک نہیں معلوم کہ اس سارے ہنگامے کا مطلب کیا ہے؟ وہ چیز جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اس کی اہمیت کیا تھی؟ ہوسکتا ہے کہ وہ ڈائری ہمارے لئے قطعی فضول رہی ہو......اس کے بھی امکانات تھے کہ اسے پالینے کے بعد بھی ہمیں اُلو بننا پڑتا۔''

حمید بظاہر فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ فریدی بولتا رہا۔''ابھی تک ہم بالکل تاریکی میں ہیں۔ مختلف معاملات ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئے ہیں اور ہم ان میں سے کسی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔''

''خیر......اسے چھوڑیئے۔'' حمید نے کہا۔''یہ بتایئے کیا واقعی آپ چاند ماری کے میدان میں جائیں گے؟''

''ہاں......!'' فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

''یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ میں نے اس قسم کے چیلنج صرف بعض سڑے ہوئے جاسوسی ناولوں میں پڑھے تھے۔ بہرام کا ڈنڈا یا ڈنڈے کا بہرام وغیرہ قسم کے ناول ایسے خطوط سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ کسی مجرم نے سراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔''

''میں نے بھی نہیں سنا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی پھر بولا۔''اسی لئے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔''

''خیر اگر آپ کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہے تو کوئی آپ کو اس سعادت سے محروم نہیں کرسکتا۔''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھر پہنچ کر وہ بھی خاموش ہی رہا۔ کھانے سے قبل اس نے ڈی آئی جی سے فون پر گفتگو کی، جو پروفیسر درانی کی لڑکی کے متعلق تھی۔ اس کے بعد اس نے کوتوالی بھی فون کیا تھا اور جگدیش سے کچھ دیر تک فریڈرک اور اس کے زخمی ساتھی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا تھا۔ پھر حمید کے استفسار پر اس نے بتایا تھا کہ ان دونوں کی حالت قابل

اطمینان نہیں تھی۔ ان سے اس ہنگامے کی وجہ بھی نہیں معلوم ہو سکی۔

دس بجتے ہی وہ حمید کے روکنے کے باوجود بھی کہیں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

''خدارا......!'' حمید نے کہا۔ ''وہاں جانے سے پہلے یہ تو سوچ لیجئے کہ آخر چاند ماری کا میدان ہی کیوں؟ شہر کے گردونواح میں کئی اور سنسان علاقے بھی تو ہیں۔''

''میں یہ سوچ کر نہیں جارہا ہوں کہ وہاں حلوہ ملے گا۔'' فریدی بولا۔ ''چاند ماری کے میدان کے انتخاب کے مقصد سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ اگر گولیاں چلنے کی نوبت آجائے تو گردونواح کی آبادی والے اسے کسی فوجی مشق سے تعبیر کر کے ل جائیں۔''

''پھر بھی آپ جارہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اور سنو......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس اللہ واسطے کی دعوت کا مقصد بھی تمہیں دوں۔ اس طرح وہ اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ میں نے اس ڈائری کا مطالعہ کیا ہے نہیں اور میں نے اس دعوت سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس ڈائری میں ان کے متعلق نشان دہی جود ہے لہٰذا اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ میں ان کے اصل ٹھکانے سے واقف چکا ہوں اور اگر انہوں نے یہ سمجھ لیا تو ہم کسی وقت بھی ٹھکانے لگائے جاسکتے ہیں۔''

''تو اکیلے جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''یہ تم سے کس نے کہا کہ میں اکیلے جارہا ہوں۔''

''پھر آپ نے مجھے تیار ہونے کے لئے کیوں نہیں کہا۔''

''اس وقت کے پروگرام میں تم نہیں ہو۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

''کیوں......؟''

''بس یونہی...... جتنا کہا جائے اتنا ہی کرو۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اب بولنا ٹھیک نہیں۔ فریدی کے مزاج سے وہ طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس کے اندازِ گفتگو ہی سے اسے معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کس موڈ میں ور کہاں تک کیا برداشت کر سکتا ہے۔

فریدی کے جانے کے بعد وہ پندرہ بیس منٹ تک اس جگہ سے ہلا بھی نہیں۔اس کے سراغ رسانی کے تجربات میں شاید یہ پہلا کیس تھا جو اتنی واردات ہو جانے کے بعد بھی اب تک معمہ بنا ہوا تھا۔وہ سوچتا رہا اور کیس کے خاص خاص پہلو اس کے ذہن میں اجاگر ہوتے گئے۔ پروفیسر چودھری کے قتل کی دریافت......اسی رات کو پروفیسر درانی کا قتل......اور پھر دوسری رات کو ایک ایسے غیر ملکی جاسوس کا قتل جو ملک میں باضابطہ طور پر داخل ہوا تھا......فریڈرک کی گفتگو کے حوالے سے اسی کا پروفیسر کا قاتل ثابت ہونا...... یورپ کے خونخوار ترین آدمیوں (سنہرے بھیڑوں) کی ملک میں موجودگی۔ان کا داخلہ تو قطعی غیر قانونی طور پر ہوا تھا کیونکہ ان کا کہیں بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکا......کیا یہ اتنا کشت و خون محض اس ڈائری کے لئے ہوا تھا؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہوسکتا تھا تو پھر اس ڈائری کی اہمیت کا سوال بھی قدرتی تھا کیا وہ اس مقصد کی کوئی گمشدہ کڑی تھی جس کے حصول کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔

اچانک حمید نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔گیارہ بج رہے تھے۔حالانکہ کچھ دیر اس نے فریدی کی بات مان لی تھی لیکن اب وہ اسے تنہا خطرے کے منہ میں جاتے نہ دیکھ تھا۔اس نے اٹھ کر سیاہ سوٹ پہنا، ریوالور جیب میں ڈالا اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال چاند ماری کے میدان کی طرف روانہ ہو گیا۔

تیز اور سرد ہوا ہڈیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ہاتھ ہینڈل پر اس طرح جمے ہوئے تھے وہ بھی برف ہو گئے ہوں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں قیامت تک ان پر سے نہ ہٹا سکے گا۔

فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے تو قبول کر لئے تھے لیکن دل یہی کہہ رہا تھا کہ اس کا اقدام دانشمندانہ نہیں تھا۔اس نے یہ تو کہا تھا کہ وہ تنہا نہیں جائے گا لیکن آخر وہ اسے کیوں نہ لے گیا۔جیسے جیسے وہ اس موضوع پر سوچتا اس کی الجھن بڑھتی جاتی۔

چاند ماری کے میدان سے آدھ میل ادھر ہی اُسے موٹر سائیکل روک کر مشین بند کرد پڑی۔کیونکہ وہ رائفلوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اس کا ذہن کوئی فیصلہ نہ کر سکا لیکن وہ غیر ارادی طور پر موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا پیدال آ بڑھ رہا تھا۔پھر اسے رائفل کے دہانوں سے نکلنے والے شعلے صاف نظر آنے لگے۔اس کے

ایک چیخیں بھی سنیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے یقیناً آخری چیخیں تھیں۔ وہ چلتے چلتے رک گیا...... اس کی زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا واقعہ آیا ہو جب اس نے اتنی شدت سے بے بسی محسوس کی ہو۔ اسے یقین تھا کہ فریدی بھی یہیں کہیں موجود ہے۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اندھیرے میں آگے بڑھنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک نئی تدبیر نے سر ابھارا۔ کیوں نہ وہ شہر واپس جا کر اپنے ساتھ امداد لے آئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ خیال بھی فضول معلوم ہوا اتنی دیر میں واقعات نہ جانے کون سا رخ اختیار کریں ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک یہ ہنگامہ ہی فرو ہو چکے۔ ایسی صورت میں مفت کی ندامت ہاتھ آئے گی۔ اسے پھر فریدی کے اس جملے کا خیال آیا جس کے مطابق وہ یہاں تنہا نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنے ساتھ دو ہی ایک آدمی لایا ہو...... تو......؟

''جہنم میں گئے سب......!'' وہ جھنجھلاہٹ میں اپنا سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ پھر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ دفعتاً اس نے موٹر سائیکل کے داہنی طرف اُگی ہوئی جھاڑیوں میں دھکیل دیا اور خود نشیب میں اتر گیا۔ سڑک سے کچھ ہی دور پر دونوں طرف ڈھلوان میدان تھے۔ انہیں میدانوں کا سلسلہ آگے چل کر ایک ہو گیا تھا۔ چاند ماری کا اصل میدان حقیقتاً وہی تھا۔ ویسے تو یہ پورا علاقہ ہی اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔

حمید کے ذہن میں کوئی واضح اسکیم نہیں تھی۔ وہ یونہی بلا مقصد ڈھلوان میدان میں اترتا جا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ پانچ چھ منٹ سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اسکی کلائی پر بندھی ہوئی ریڈیم ڈائل کی گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ پندرہ منٹ گذر گئے اور وہاں بدستور سناٹا رہا پھر اس نے چاند ماری کے میدان میں متعدد ٹارچوں کی روشنیاں دیکھیں جو ادھر اُدھر گردش کرتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی غائب ہو گئیں اور تاریکی سناٹے سے بدستور سرگوشیاں کرتی رہی۔ حمید نے پھر گھڑی دیکھی۔ ایک بج رہا تھا۔ سردی نے اسے بدحال کر رکھا تھا اور اسے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا کہ اول تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اگر آیا تھا تو اتنی دیر تک ٹھہرا کیوں رہا۔

وہ واپسی کی لئے مڑ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ دور پر ایک آدمی دکھائی دیا جو غالباً کسی دوسرے

آدمی کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے تھا۔ حمید کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ نیت دراصل تعاقب کی تھی۔ وہ کچھ دور تک اس کے پیچھے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس نے اپنے سردی سے سکڑے ہوئے ذہن کو ایک موٹی سی گالی دی اور ریوالور نکالا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

''اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' اس نے دانت کٹکٹا کر کہا چلنے والا رک گیا۔

حمید نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔

''میرے دونوں ہاتھ پھنسے ہوئے ہیں۔'' اس نامعلوم آدمی نے جواب دیا اور حمید بے اختیار اچھل پڑا۔ کیونکہ آواز فریدی کی تھی۔

''آپ...... یہ...... کیا......؟'' حمید ہکلایا۔

''ایک لاش......!'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟''

''لاش......!'' حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔

''حماقت نہیں...... چپ چاپ چلے جاؤ۔''

''تو کیا میں جھک مارنے کے لئے آیا تھا۔'' حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

''یقیناً...... میں نے تمہیں منع کر دیا تھا نا۔''

حمید یک لخت مڑا اور جھلاہٹ میں اسے اس کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ چلنے کے بجائے دوڑ رہا ہے۔ سردی نے پہلے ہی دماغ خراب کر رکھا تھا اس پر سے غصہ۔

اوپر آ کر اس نے جھاڑیوں سے موٹر سائیکل نکالی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ پھر اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس سے پہلے کبھی اسے فریدی پر اتنا شدید غصہ نہیں آیا تھا۔ غصے کی بات بھی تھی۔ وہ تو اتنی دیر تک سردی سے سکڑتا اور رائفلوں کی آوازیں سنتا رہا اور آپ بدقت تمام ملے بھی، تو دھونس جماتے ہوئے۔

''سب کچھ جہنم میں جائے۔'' حمید دانت کٹکٹا کر بڑبڑایا اور اس کے دکھتے ہوئے ہاتھوں کی گرفت ہینڈلز پر اور مضبوط ہو گئی۔ لیکن دوسرا لمحہ اس کے لئے حد درجہ سنسنی خیز تھا۔ موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں اسے ایک بڑی سیاہ وین دکھائی دی جو سڑک پر اس طرح آڑی کھڑی

تھی کہ راستہ رک گیا تھا۔ اس نے بریک لگا کر موٹر سائیکل کو سڑک کے نیچے اتارنے کی کوشش کی لیکن تین ایسے آدمیوں نے اس کا راستہ روک لیا جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور انہوں نے ان کی نالیں سیدھی کررکھی تھیں۔ حمید کو رکنا پڑا۔

''مشین بند کردو......!'' ایک نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ غیر ملکی تھا۔ حمید نے مشین بند کردی لیکن سیٹ پر بدستور جما رہا۔

''نیچے اتر آؤ۔''

''کیوں...... کس لئے؟ میری جیبیں بالکل خالی ہیں۔'' حمید نے لاپروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

دفعتاً وین کا دروازہ کھلا اور اندھیرے میں حمید کو کسی عورت کے گھونگھریالے بال دکھائی دیئے۔ پھر ایک ننھی سی ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔

''یہ وہ نہیں۔'' ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ''لیکن یہ اس کا ساتھی ہے۔''

حمید نے آواز صاف پہچان لی اور پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نادانستگی میں کن لوگوں سے آ بھڑا ہے۔

''تو پھر......؟'' ان میں سے کسی نے پوچھا۔

''وہ بھی یہیں کہیں ہوگا۔ تلاش کرو۔'' لڑکی تحکمانہ لہجے میں بولی۔ ''اس کے ہاتھ پیر باندھ کر وین میں ڈال دو۔''

''نیچے اتر آؤ۔'' ایک نے آگے بڑھ کر رائفل کا کندہ حمید کے سینے میں مارا۔ حمید چپ چاپ اتر آیا اور موٹر سائیکل ایک طرف گر گئی۔ ان میں سے ایک نے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیئے۔

''اندر چلو......!'' اسے گردن سے پکڑ کر وین میں دھکیل دیا گیا اور پھر اس کے دونوں پیر بھی جکڑ دیئے گئے۔

''تم لوگ چلو......!'' لڑکی نے کہا۔ ''میں اسے دیکھتی ہوں۔''

''فضول ہے مری جان۔'' حمید پڑے پڑے بڑبڑایا۔ ''تمہارے فرشتے بھی اسے نہ

پا سکیں گے۔''

''شٹ اپ......!'' کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔'' حمید چیخ کر بولا۔ ''وہ آدمی نہیں بھوت ہے۔''

''شور مت مچاؤ۔''

دوسرا تھپڑ پڑا۔

حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اس وقت اس کے علاوہ......وہ اور کر ہی کیا سکتا تھا۔

بُرے پھنسے

حمید کا بقیہ وقت بیہوشی کی حالت میں کٹا......ایک تو سردی کی شدت، دوسرے اس کی نہ رکنے والی زبان کے جواب میں تھپڑوں کی بارش اور پھر جب ان لوگوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ وہ کسی طرح چپ نہ ہوگا تو انہوں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ اسے گھٹن کا احساس نہ ہونے پائے لیکن اس کا ذہن جلد ہی جواب دے گیا۔

دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا جیسے وہ اوپر اٹھ رہا ہو۔ چاروں طرف کچھ اس قسم کی تاریکی تھی کہ وہ گھبرا کر اپنی آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کہیں وہ اندھا تو نہیں ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک وہ یہی سمجھتا رہا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے لیکن پھر غور کرنے پر محسوس ہوا کہ وہ سنسناہٹ اس کے ذہن کی نہیں ہوسکتی تھی اور اوپر اٹھنا محض وقتی احساس نہیں تھا۔ سنسناہٹ یقیناً کسی مشین ہی سے پیدا ہورہی تھی اور وہ ایک کھردرے فرش پر چت لیٹا اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ گزر جانے کے باوجود بھی تاریکی میں کمی نہ ہوئی۔ اگر حمید کی کلائی پر اندھیرے میں چمکنے والے ڈائل گھڑی نہ ہوتی تو اسے یقین ہوجاتا کہ وہ اندھا ہوگیا ہے۔ و

کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس کا جسم چمڑے کے تسموں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کا سر ایک بار پھر چکرا گیا۔ کیا وہ کسی ہوائی جہاز پر تھا......؟ مگر ہوائی جہاز......اسے الجھن ہونے لگی۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار ہوائی جہاز پر سفر کر چکا تھا سابقہ تجربات کی بناء پر وہ کس طرح سمجھ لیتا کہ وہ کسی جہاز پر ہے۔ ہوائی جہاز کی آواز کانوں کے پردے پھاڑ دیتی ہے۔ لیکن یہاں تو صرف ایک ہلکی سی سنسناہٹ تھی اتنی ہلکی کہ حمید پہلے اسے اپنے دماغ ہی کی سنسناہٹ سمجھا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا گھڑی کا ڈائل چمک رہا تھا لیکن ہاتھ ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ وقت دیکھ سکتا۔ اس نے دو ایک بار اپنے جسم کو جنبش دینے کے لئے زور لگایا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد نے اسے بالکل تھکا دیا اور اس نے نڈھال ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنی اس مصیبت کا ذمہ دار فریدی کو ٹھہرا رہا تھا۔ اگر اس نے اس سے اس طرح گفتگو نہ کی ہوتی تو وہ جھلا کر کبھی اتنی بدحواسی میں نہ بھاگتا۔

پھر اس کا ذہن اس لاش کی طرف گھوم گیا جسے فریدی نے اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا۔ آخر وہ کس کی لاش تھی؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ حمید نے کراہ کر کروٹ لینے کی کوشش کی لیکن چمڑے کے تسمے اس کی ہڈیوں میں چبھ کر رہ گئے۔ اس بار اسے گلوخلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اب کی ایک انتہائی منظم گروہ سے سابقہ ہے۔

اسے اپنے گرد پھیلی ہوئی تاریکی قبر کی تاریکی معلوم ہونے لگی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ انسیں تیز اور بوجھل ہو گئی تھیں۔ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے وہ برق رفتاری کے ساتھ نیچے جا رہا ۔ کانوں میں گونجنے والی سنسناہٹ نے اب دوسری شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا یسے بے شمار ہلکی ہلکی سیٹیاں بج رہی ہوں۔ پھر ایک جھٹکا لگا......آواز ختم ہو گئی اور ایک پاگل ردینے والا سناٹا ذہن پر مسلط ہو گیا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہنے لگا کہ اپنے ہی دانتوں ے اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

دفعتاً اس کے دائیں طرف تاریکی میں ہلکی روشنی کا ایک چوکور دھبہ نظر آیا اور ساتھ ہی ٹی ہوا کا ایک ریلا اس کے چہرے کا خون منجمد کرتا ہوا گزر گیا۔

چوکور دھبے میں سے دو تاریک سائے اندھیرے میں رینگ آئے۔ انہوں نے حمید کے

تسمے کھولے اور کھینچ کر تاریکی سے نکال لیا۔

آسمان پر آخر شب کے ستارے جماہیاں لے رہے تھے اور چاروں طرف اونگھتا ہوا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا۔ سگار کی شکل کا ایک دیو پیکر راکٹ زمین پر ٹکا ہوا تھا۔ اسے اب معلوم ہوا کہ وہ ایک راکٹ میں سفر کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔

حمید نے ڈوبتے ہوئے دل سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں وہ ایک غیر آباد مقام پر کھڑا تھا..... حد نظر تک اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں جن پر رات کا گہرا سرمئی غبار طاری تھا۔

''میں کہاں ہوں......؟'' حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑبڑایا۔

''جہنم میں......!'' دونوں ہنس پڑے۔

حمید کو ان پر غصہ نہیں آیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اتنی بے بسی محسوس کی تھی۔

''چلو......!'' وہ دونوں اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے بولے۔

حمید چلنے کی بجائے گھسٹ رہا تھا۔ اس کا ذہن بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔ دل میں نہ کوئی خیال تھا اور نہ کوئی ایسی خلش جسے ڈر یا غصے کے اثر سے تعبیر کیا جاسکتا۔ پیر اس طرح اٹھ رہے تھے جیسے وہ اس کا مشینی فعل ہو۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے خود کو ایک ایسی عمارت کے سامنے پایا جو بدھ مذہب والوں کی عبادت گاہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لے گئے۔ عمارت کافی وسیع تھی۔ اس کے قبر نما کمروں میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ اسے ایک کمرے میں دھکا دے کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا۔ حمید پیال کے ایک ڈھیر پر پڑا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نقاہت نے پھر اس کے ذہن پر قابو پالیا۔ زمین پر ٹکے ہوئے دونوں ہاتھ پیال کے ریشوں سمیت آگے کی طرف پھسل گئے اور اسے اپنی ٹھوڑی پر لگنے والی چوٹ کا احساس تک ہوا۔ قبر نما کمرے کی دھندلی روشنی پر گہری سیاہ تہیں چڑھتی چلی گئیں۔

دوسری صبح ایک آدمی اسے ٹھوکر مار مار کر بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں سے چمکدار دھوپ اندر رینگ آئی تھی۔ حمید نے اپنی ہوئی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی پیٹھ پر ایک ٹھوکر پڑی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اجنبی نے

لگایا اور اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچتا ہوا کمرے سے نکال لے گیا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جس کی دیواروں سے پتھر کی کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کی چھت سات فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ یہاں پانچ آدمی پتھر کی کرسیوں پر بیٹھے کسی ایسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جو حمید کے لئے بالکل نئی تھی۔ ان کی قومیت کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ ان کی رنگت گندمی تھی اور بال گہرے سیاہ۔ اسے ان سب کے خدوخال میں یکسانیت بھی نظر آئی۔ آنکھیں تو قریب قریب سبھوں کی ایک جیسی تھیں۔ ان میں کچھ عجیب طرح کی وحشت تھی۔

حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ یہ کسی مغربی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔

ان پانچوں میں سے ایک نے اس سے کچھ کہا جس کے جواب میں اس نے کوئی بات ہچکچاہٹ کے ساتھ کہی اور حمید سے انگریزی میں بولا۔ ''ناشتے میں چائے پیتے ہو یا کافی؟'' اس کے لہجے میں کرختگی نہیں تھی۔

اس کا ساتھی اسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جہاں ایک بڑی سی بھدی میز پڑی ہوئی تھی۔ کچھ بے ہنگم سی کرسیاں بھی تھیں۔ حمید نے ایک عجیب سی اشتہا انگیز خوشبو محسوس کی، جو شاید برابر والے کمرے سے آرہی تھی۔ اس کے ساتھی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ حمید بیٹھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظریں کھڑکی سے گزر کر بیرونی مناظر میں ڈوب گئیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔

اس کا ساتھی اسے چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ حمید اٹھ کر کھڑکی کے قریب آگیا۔ نزدیک و دور کی ساری پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ براؤن رنگ کی سخت چٹانوں سے بنی ہوئی زمین پر سبزے کا نشان تک نہیں تھا۔ البتہ کہیں کہیں زرد رنگ کی کانٹے دار جھاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ بڑے بڑے گوشت خور پرندے فضا میں چکر کاٹ رہے تھے۔ یہ نہ چیلوں سے مشابہ تھے اور نہ گدھوں سے۔ ان کی رنگت سیاہ تھی چونچ کی بناوٹ سے حمید نے یہ اندازہ کیا کہ یہ گوشت خور ہی ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی تیز اور کپکپاتی آوازوں سے سکوت

ٹوٹ جاتا۔

حمید بے سروپا خیالات میں ڈوبا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا ساتھی ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آیا جس میں ایک بڑی سی چائے دانی اور ایک کپ تھا۔ ایک پلیٹ میں تین چار چھوٹے چھوٹے بھنے ہوئے پرندے تھے۔ پھر وہ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔ حمید نے پیالے میں کافی انڈیلی۔ دو ہی تین گھنٹوں کے بعد اسے تمباکو کی یاد ستانے لگی...... پچھلی رات کے ہنگامے کے دوران میں اس کا پائپ اور تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئے تھے۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ پھر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آخر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ پچھلی رات ان آدمیوں میں اس لڑکی کی موجودگی سے یہ بات تو ثابت ہوگئی تھی کہ وہ اس وقت گارساں کا قیدی تھا اور کسی ایسی جگہ پہنچا دیا گیا تھا جہاں سے نکل بھاگنے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے ہی ملک کے کسی حصے میں ہے یا کسی دوسرے ملک میں۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اپنے شہر سے یہاں تک اس راکٹ میں لایا گیا تھا؟ وہ اپنے ذہن پر زور دینے لگا کہ انہوں نے شہر کے کس حصے میں راکٹ اتارا ہوگا۔ کاش وہ فریدی کا کہنا مان گیا ہوتا۔ وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے اپنے ساتھ نہ لے گیا ہوگا۔

حمید ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال پھینکنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ پچھتاوا فضول تھا۔ وہ اسے اس جال سے نکال سکتا تھا۔ فریدی کو شاید اس کی خبر ہی نہ ہو کہ اس پر کیا گزری۔

''ناشتہ کر چکے؟'' اسے اپنی پشت پر آواز سنائی دی۔

حمید چونک کر پلٹا۔ وہی آدمی جو اسے یہاں تک لایا تھا اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے واپس جا رہا تھا۔

حمید نے اسے آواز دے کر روکا۔

''اس لذیذ ناشتے کا بہت بہت شکریہ۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''میں نے کئی گھنٹوں سے تمباکو نہیں پیا۔''

''سگار پیتے ہو......؟'' اس نے پوچھا۔

’’چلو سگار ہی سہی...... کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی جماہیاں آتی رہیں گی۔‘‘

اس نے ہنس کر جیب سے سگار کیس نکالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید سگار سلگا کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ پھر اسی کمرے میں آیا جہاں اس نے ان پانچ اجنبیوں کو دیکھا تھا۔ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ حمید کو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

’’تم کون ہو......؟‘‘ ان میں سے ایک نے حمید کو انگریزی میں مخاطب کیا۔

’’ایک سرکاری سراغ رساں۔‘‘ حمید نے کہا۔ وہ جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اس نے فریدی کو کئی بار یہ کہتے سنا تھا کہ اگر گارساں کو ہم پر اس بات کا شبہہ بھی ہو گیا کہ ہم لوگ اس کی موجودگی سے واقف ہیں تو ہر حال میں موت ہمارے قریب ہی رہے گی۔

’’تم یہاں کیوں لائے گئے ہو......؟‘‘

’’مجھے ابھی تک بتایا نہیں گیا۔‘‘ حمید نے کہا اور لاپروائی سے بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

’’کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم ابھی قتل کر دیئے جاؤ گے؟‘‘

حمید کے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے حتی مکان اپنے چہرے کو خوف کے آثار سے بچانے کی کوشش کی۔

’’مجھے یہ بھی نہیں بتایا گیا......اور اگر بتا بھی دیا جاتا تو میں کر ہی کیا سکتا تھا۔‘‘ حمید نے کہا۔

’’جانتے ہو کہ تم کس کے قیدی ہو......؟‘‘

’’قیدی......؟‘‘ حمید چونک کر بولا۔ ’’اگر یہ قید ہے تو میں زندگی بھر اسی حالت میں رہنے کو تیار ہوں۔ تمہاری کافی مجھے بیحد پسند آئی۔ شاید برازیل کی تھی۔ اپنی طرف تو وہ ملتی ہی نہیں۔‘‘

حمید خاموش ہو گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کے بولنے سے قبل خود ہی بڑبڑانے لگا۔ ’’مجھے معلوم کر کے خوشی ہوتی کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔ شلائر کو ہم پہچان ہی چکے......فریڈرک اور ساتھیوں کو بھی پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن تم لوگ ابھی تک معمہ بنے ہوئے ہو۔‘‘

پانچوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

’’فریڈرک کو تم نے کیسے پہچانا......؟‘‘ ایک نے پوچھا۔

''میرا آفیسر بڑا ہمہ داں قسم کا آدمی ہے۔''

''تو اس نے ہمیں بھی پہچان لیا ہوگا۔''

''نہیں......!'' حمید نے یقین دلانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''اگر اس نے پہچان لیا ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔''

''تمہارا آفیسر اس وقت کہاں ہوگا؟''

''کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا۔'' حمید سوال کرنے والے کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''لیکن اب اسے کوئی نہ پا سکے گا۔''

''کیوں......؟''

''میرے غائب ہو جانے پر وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا ہوگا۔''

''خیر گھبراؤ نہیں......تمہاری تنہائی بہت جلد رفع ہو جائے گی۔''

''میں شادی تو ہرگز نہیں کروں گا چاہے مار ڈالو......!'' حمید نے سنجیدگی سے کہا اور سب متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''شادی......شادی سے کیا مطلب......؟''

''اب شادی کا مطلب کیا بتاؤں......شرم آ رہی ہے۔'' حمید نے کچھ ایسے انداز میں کہ وہ سب ہنس پڑے۔

''تم تنہائی رفع ہونے کا مطلب غلط سمجھے۔'' ایک بولا۔ ''میں یہ کہہ رہا تھا کہ عنقریب تمہ آفیسر بھی تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔''

''خام خیالی ہے۔'' حمید حقارت سے ہنستا ہوا بولا۔ ''اس پر قابو پانا آسان کام نہیں۔''

''کیوں......؟''

''وہ بھیس بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔''

''بھیس......؟'' اجنبی کی ہنسی بھی تحقیر آمیز تھی۔ ''اطمینان رکھو......وہ ہمارے مقابلے خود کو چوہا محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''تو کیا تم اسے بھی مار ڈالو گے؟'' حمید نے بناوٹی خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''اگر ضرورت سمجھی گئی تو ہمیں اسی میں آسانی ہوگی۔''

''شریف آدمیو! تم شاید اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔''

''وہ ڈائری کیا ہوئی......؟'' ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''جہنم میں گئی۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''نہ جانے اس میں کیا تھا۔''

''تمہارا آفیسر تو جانتا ہی ہوگا۔''

''وہ بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا...... مگر ٹھہرو...... کیا وہ خوبصورت لڑکی تمہارے گروہ سے تعلق نہیں رکھتی؟''

''کیوں......؟''

''کیا وہ ڈائری وہی نہیں اڑا لے گئی تھی۔ کیا اسی نے میرے آفیسر کو چاند ماری کے میدان میں آنے کے لئے چیلنج نہیں کیا تھا......؟''

''تم دونوں وہاں ساتھ ہی گئے تھے؟'' حمید سے پھر سوال کیا گیا۔

''نہیں! وہ مجھ سے پہلے چلا گیا تھا۔''

''کوئی خاص اسکیم تھی؟''

''نہیں...... وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔''

''لیکن تم تو وہیں ملے تھے۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ واقعی نہیں جائے گا اس لئے اس کے غائب ہونے کے بعد میں بھی اُدھر چلا گیا تھا۔''

''کیوں...... اس بے یقینی کی وجہ......؟''

''میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

''کیا وہ تمہیں وہاں ملا تھا......؟''

''نہیں...... لیکن میں نے رائفلوں کی آوازیں ضرور سنی تھیں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہی آدمی بولا۔

''وہ کہاں مل سکے گا......؟''

”میں نے کہا نا کہ اب اس کے فرشتوں کو بھی اسکے متعلق کچھ نہ معلوم ہوگا۔“

”کیوں......؟“

”تم لوگوں کی...... کیوں ...... سے تو میں عاجز آ گیا ہوں......وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔“

”وہ جتنی جلدی ہمارے ہاتھ لگ جائے گا......اتنی ہی جلدی تمہاری رہائی بھی ہوگی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے کیونکہ تمہیں مارنے کا کام تو تمہارے شہر میں ہی ہوسکتا تھا۔“

”پھر......؟“

”تمہارے آفیسر کی موجودگی میں ہمیں ایک بات کا تصفیہ کرنا ہے۔“

”اس کے متعلق میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سو فیصدی صحیح ہے۔“

”تمہاری مرضی......!“ وہ اکتا کر بولا۔

موت کے دروازے پر

اس گم نام ویرانے میں رات کا سناٹا بڑا خوفناک تھا۔ آج حمید کو زمین پر پڑی ہوئی پیال پر نہیں لیٹنا تھا۔ کمرے میں کوئی آتش دان نہیں تھا پھر بھی وہ اسی کو غنیمت سمجھ رہا تھا کہ اس کے نیچے پیال بھرا ہوا چمڑے کا بستر ہے۔ اوپر ایک نہیں تین تین کمبل ہیں یہ اور بات ہے کہ یہاں کی سردی کے اعتبار سے وہ بھی ناکافی رہے ہوں۔

اسے گرفتار کرنے والوں نے ابھی تک اسے کسی اذیت میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ سب اس سے اس طرح بے پرواہ نظر آتے تھے جیسے وہ ان کے ساتھیوں ہی میں سے ایک ہو۔ دن میں و

بڑی دیر تک اس عمارت کے باہر بھی ٹہلتا رہا تھا اور قرب و جوار میں اسے اس عمارت کے علاوہ کوئی دوسری عمارت نہیں دکھائی دی تھی۔ کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں پڑا تھا جو اس عمارت کے افراد سے الگ ہوتا۔ عمارت کی پشت پر ایک دو ڈھائی سو فٹ گہری وادی تھی جس میں چند ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی ویران تھے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی آباد رہے ہوں۔ حمید نے عمارت کے باشندوں سے اس مقام کے نام کے متعلق کئی بار استفسار کیا تھا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو بج گئے تھے لیکن ابھی تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سگار سلگانے ہی جارہا تھا کہ کھڑکی میں ایک تیز قسم کی روشنی کا کوندا سا لپکا اور گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ جو چند لمحے جاری رہ کر بند ہوگئی۔

حمید بستر سے کود کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ باہر اندھیرے میں وہی راکٹ نما مشین کھڑی تھی۔ کچھ لوگ اس سے اتر رہے تھے۔ حمید نے اس لڑکی کی بھی آواز سنی۔ جس کی بدولت اتنی قلابازیاں کھانی پڑی تھیں۔

ان میں سے ایک نے ٹارچ روشن کی۔ دو آدمی ایک تیسرے آدمی کو کھینچ کر راکٹ سے باہر نکال رہے تھے۔ اس کے چہرے پر روشنی پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔ یہ فریدی تھا اور کافی جھنجھلایا ہوا معلوم ہورہا تھا۔ ٹارچ بجھا دی گئی اور حمید ان کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔
اب تو سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ فریدی بھی آ پھنسا...... یعنی یہاں سے رہائی کی رہی سہی امید بھی منقطع ہوگئی۔

حمید فریدی کے سامنے انتہائی خطرناک اور ڈراؤنے حالات میں بھی شیر ہوجایا کرتا تھا۔ وہ اس وقت بھی ایک انجانی سی تقویت محسوس کررہا تھا۔ اچانک اس کی ساری صلاحتیں بیدار ہوگئیں۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہلڑ ہی مچایا جائے، تھوڑی تفریح رہے گی۔
اور پھر وہ ہلڑ مچانے لگا۔

دروازہ کھلا۔ حمید کو قندیل کی روشنی میں دو سائے دکھائی دیئے۔ قندیل اسی لڑکی کے ہاتھ میں تھی جسے دیکھ کر حمید کا خون گھولنے لگتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا جس کی ناک پر پٹی

بندھی ہوئی تھی۔ یہ بھی مغرب ہی کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بہت سُوَر آدبی بالوب ہوتا ہے۔''

حمید سمجھ گیا کہ اس کی ناک بُری طرح زخمی ہے اور وہ کچھ ایسی تکلیف میں مبتلا ہے کہ ناک سے آواز نکالتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔ اسی لئے وہ آدمی کو آدبی اور معلوم کو ''بالوب'' کہہ رہا تھا۔

''ہیلو...... بھیگے اُلو......!'' لڑکی نے حمید کو مخاطب کیا۔ ''شور کیوں مچا رہے ہو۔''

''اسے باہر بھیج دو تو بتاؤں۔'' حمید نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا بکتے ہو؟'' وہ گرج کر بولا۔ لیکن اس کی زخمی ناک نے حمید کو خاک بھی سمجھنے نہ دیا۔

''میں چشمے کے بغیر تمہاری بات نہیں سمجھ سکتا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور لڑکی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

زخمی ناک والا گھونسا تان کر اس کی طرف بڑھا لیکن لڑکی درمیان میں آ گئی۔

''آرتھر! تم جاؤ...... میں اسے ٹھیک کرلوں گی۔ کیا تمہیں احکامات یاد نہیں؟''

زخمی ناک والے کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر لٹک گیا۔

''دیکھو لڑکی......!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''میں مرعوب ہو جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔''

زخمی ناک والا چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

''تم واقعی بڑی ظالم ہو۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''فضول باتیں مت کرو۔ سو جاؤ...... یہ بھی میری شرافت ہے کہ میں نے تمہاری کھال نہیں کھنچوائی۔''

''میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ میری کھال ضرور کھنچوالو۔ ممکن ہے کہ میں کھال کے بغیر ہی تمہیں کچھ حسین معلوم ہوں۔''

''خیر وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے کہ تم ساری طراریاں بھول جاؤ گے۔''

''مجھے اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا۔'' حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیٹ ہندوستانی عشقیہ

نداز میں کہا۔

"بکواس بند کرو۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "میں تمہیں ایک دلچسپ خبر سنانے آئی ہوں۔"

"ایک نہیں دو سناؤ۔"

"تمہارا آفیسر فریدی ایک حقیر کیڑے کی طرح ہمارے ہاتھوں بے بس ہو چکا ہے جس پر
رے ملک کو ناز تھا۔"

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ جب ہنس چکا تو بُرا سا منہ بنا کر بولا۔
جب میں تمہارے جال میں پھنس گیا تو اس بیچارے کی کیا حقیقت ہے۔ وہ تو دراصل میرا
گرد ہے۔ کام میں کرتا ہوں اور نام اسکا مشہور ہوتا ہے۔ خیر...... چھوڑو...... ہٹاؤ..... پھر کیا رہی؟"

"کیا.....؟"

"بات یہ ہے۔" حمید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ "مجھے
معلوم ہوتا ہے جیسے میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔"

"بکو نہیں...... چپ چاپ سو جاؤ۔ اگر شور مچاؤ گے تو سختی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

"ریٹا ڈارلنگ...... میں مر جاؤں گا۔"

"شش...... میرا نام ایڈنا ہے۔"

"ایڈنا.....؟" حمید اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا بولا۔ "کتنا پیارا نام ہے...... ایڈنا...... ارے
..... خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں ورنہ اسی وقت ایک غزل کہہ کر تمہاری خدمت میں مطلع
کر دیتا۔"

"تمہارا نام حمید ہے نا......!" لڑکی ہنس کر بولی۔

"کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ میرا نام ہمائیڈ ہے اور میں حضرت عیسیٰ کے گدھے کی بڑی
ت کرتا ہوں۔"

"بکومت...... بدتمیز......!" لڑکی کا چہرہ بگڑ گیا۔

"اوہ معاف کرنا...... میں سمجھتا تھا کہ تم مذہبی عورت نہیں ہو۔"

"اچھا اب بکواس بند۔"

''چلو بند ہی سہی......لیکن ایک بات اور بتادو......وہ یہ کہ میں اپنے ہی ملک میں ہوں یا کہیں اور؟''

''تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہئے۔'' لڑکی نے خشک لہجے میں کہا ''تم صرف یہ سوچو کہ تمہیں سسکا سسکا کر مارا جائے گا یا ایک دم خاتمہ کردیا جائے گا۔''

''بھئی مرنے جینے کی تو اپنی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ خنجر تمہارے ہاتھ میں ہو۔''

''شٹ اپ......!'' ایڈنا نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

مجبوراً حمید لیٹ گیا۔

دوسرے دن صبح اسے پھر اسی بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں وہ اس سے پہلے ان پانچوں آدمیوں سے گفتگو کرچکا تھا۔ اس وقت ان پانچوں کے علاوہ چھ آدمی اور تھے جن میں ایڈ بھی شامل تھی اور اس کا وہ ساتھی بھی جس کی ناک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ فریدی درمیان میں کھڑ تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

حمید نے لوگوں کی نظریں بچا کر ایڈنا کو آنکھ ماردی اور فریدی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا

''موت کے منہ میں بھی تم اپنی بیہودگی سے باز نہیں آتے۔'' فریدی نے کہا۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ کی آواز بھیک کیوں مانگ رہی ہے؟'' حمید بولا۔

فریدی کی آواز سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے سردی کی وجہ سے اس کا گلا بیٹھ گیا ہو۔

''سردی کا اثر ہے۔'' فریدی نے کہا اور کمرے کے دوسرے لوگوں کو گھورنے لگا۔

''تم وہی ہو جس نے اس لڑکی سے ڈائری چھینی تھی۔'' ایک نے فریدی کو مخاطب کیا۔

فریدی خاموش رہا تو اسی نے پھر کہا۔ ''میں تمہیں سے پوچھ رہا ہوں۔''

''میں اس وقت تک کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہوجائے میں کن لوگوں میں ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''تم بہت زیادہ بُرے لوگوں میں نہیں ہو۔''

''مجھے اور میرے ساتھی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''ضرورتا......!'' جواب ملا۔ ''تمہاری وجہ سے ہمارا بہت نقصان ہوا ہے۔''

فریدی انہیں معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا اور چند لمحے بعد بولا۔ ''تم قاتل ہو۔ سازشی ہو۔ تم نے ہمارے ملک کو دو عظیم سائنسدانوں سے محروم کر دیا۔''

''یہ غلط ہے۔'' ان میں سے ایک بولا۔ ''لیکن ہم ان کے قاتلوں سے واقف ہیں۔''

''تم لوگ ہو کون؟ چودھری کو کس لئے قتل کیا گیا؟ اس کا قاتل کون تھا......؟'' فریدی نے گھور کر کہا۔

''تم یہاں اس لئے نہیں لائے گئے کہ ہم تمہیں اس کی سراغ رسانی میں مدد دیں۔''

''ارے تو وہی بتاؤ نا...... میں بہت مشغول آدمی ہوں۔'' فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

''تمہیں پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟''

''مجھے اس پر سازشی ہونے کا شبہ ہوا تھا۔''

''فضول بحثوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔'' داہنی طرف کے دروازے سے آواز آئی۔

حمید چونک کر مڑا۔ ایک لمبا تڑنگا آدمی فریدی کو گھور رہا تھا۔

''اس ڈائری میں کیا تھا......؟'' اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

''تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔''

''تم نے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا......؟''

''تاکہ میرا بھی وہی حشر نہ ہو، جو پروفیسر درانی کا ہوا تھا۔''

''کیا مطلب......؟'' اجنبی چونک کر بولا۔

''مطلب بھی مجھ ہی سے پوچھو گے؟'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''تم نے درانی کو کیوں قتل کیا تھا؟ اس لڑکی نے شلائر کا خون کیوں بہایا؟ تم لوگوں نے فریڈرک اور اس کے ساتھی کو نیم مردہ کیوں کر دیا تھا؟ ظاہر ہے کہ اسی ڈائری کے لئے......!''

''درانی کے قتل کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے شلائر ہی نے مارا تھا۔''

''اور پروفیسر چودھری......؟'' فریدی بولا۔

''اس کا گلا میں نے ہی اپنے ہاتھوں سے گھونٹا تھا۔'' اجنبی نے کچھ ایسا منہ بنا کر کہا جیسے وہ

اس وقت بھی اپنے اس کارنامے کی لذت محسوس کر رہا ہو۔

''کیوں......؟''

''یہ سب پوچھ کر کیا کرو گے؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔''ان دونوں کو ٹھکانے لگا دو۔ اگر یہ اس ڈائری کے متعلق کچھ جانتے بھی ہیں تو انہوں نے سرکاری طور پر اس کی کوئی رپورٹ نہیں دی۔''

''میں اس ڈائری کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔'' فریدی نے کہا۔''لیکن جاننے کی خواہش ضرور رکھتا ہوں۔''

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

''ٹھہرو میرے دوست......!'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اجنبی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی پھر بولا۔''ظاہر ہے کہ ہم لوگ یہاں سے واپس نہیں جاسکتے۔ کیونکہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم کس مقام پر ہیں۔''

''پھر......؟''

''مرنے سے پہلے میری ایک خواہش پوری کردو۔''

''کیا......؟'' اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

''اس ڈائری میں کیا تھا......؟ جس کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا۔''

''ننھے بچے......!'' اجنبی نے قہقہہ لگایا۔''میں نے تمہاری شہرت سنی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تم تھوڑے بہت ذہین ضرور ہو گے۔''

''تو تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ذہین نہیں ہوں۔''

''ذہین......!'' اجنبی نے ایک تضحیک آمیز قہقہہ لگایا۔''اگر تم ذرہ برابر بھی ذہین ہوتے تو پروفیسر چودھری کے کنوئیں سے برآمد ہونے والے ہڈیوں کے ڈھانچے کو شہرت نہ دیتے۔ تم جانتے تھے کہ چودھری کا بھوت فرضی تھا۔ تم یہ بھی جانتے تھے کہ چودھری کے مکان میں ایک سے زیادہ ایسی پارٹیاں دلچسپی لے رہی ہیں جو ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس ڈھانچے کو چپ چاپ دبا کر تماشا دیکھتا اور پھر مجھے یہ بات معلوم کر لینے میں ذرا بھی

دشواری نہ ہوتی کہ وہ سب کس لئے ہو رہا تھا۔"

"میں بہت پہلے اپنی شکست تسلیم کر چکا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی کا یہ جملہ اس کے لئے ایک سانحہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کی خودی ناقابل تسخیر ہے۔

"خیر سنو......!" اجنبی فخریہ انداز میں بولا۔ "میں تمہارے ملک سے ایک قیمتی راز لئے جا رہا ہوں۔ میں اسے دنیا کے کسی بھی جنگ باز ملک کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں۔"

وہ خاموش ہو کر فریدی کی طرف پرغرور انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "یہ ایک انتہائی خطرناک گیس کا فارمولا ہے......ایسی گیس جن کی تھوڑی سی مقدار تقریباً دو سو میل کے گھیرے میں اثر انداز ہو سکتی ہے......بستیوں کی بستیاں ویران کی جا سکتی ہیں۔ نہ اس میں بیہودگی کا ڈر نہ یتیمی کا خوف.... بس ایک طرف سے چھڑکاؤ.... دو سو میل کے اندر کا ایک بھی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا......کیا سمجھے......یہ تمہارے اسی پروفیسر چودھری کی ایجاد ہے اور اس ڈائری میں اسی کا فارمولا درج ہے۔"

"لیکن وہ ڈائری تو پروفیسر درانی کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں......وہ چودھری ہی کی ڈائری ہے۔"

"تو چودھری کے یہاں تم لوگ اسی کی تلاش میں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں......اور چودھری کا بھوت بھی میں ہی تھا......لیکن تم اس عجیب و غریب پینٹ کی تعریف نہیں کرو گے؟ جس سے میرا چہرہ انگارے کی طرح دہکنے لگتا تھا۔"

"وہ میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

اجنبی چند لمحے حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا واقعی تم اتنے نڈر ہو جیسا کہ ظاہر کرتے ہو؟"

"تم نے بھی اپنے احمق ساتھیوں کی طرح وہی بات چھیڑ دی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"ہاں تو تمہیں اس گیس کا علم کیونکر ہوا تھا......؟"

اجنبی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''۱۹۵۰ء کی بین الاقوامی سائنس کانفرنس میں پروفیسر چودھری نے اس قسم کی گیس کی تشکیل کے امکانات پر اظہار خیال کیا تھا اور یہ بات کہی تھی کہ اس سے ایٹمی توانائی کی طرح تعمیری کام بھی لئے جاسکیں گے۔ پہلے میں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ مختلف ممالک کے جاسوس چودھری کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ اس معاملے میں شلائر اور فریڈرک پیش پیش تھے۔ لیکن چودھری نے انہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔''

اجنبی خاموش ہوگیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر فریدی کو گھورتا ہوا پُر خیال انداز میں بولا۔

''شلائر اور فریڈرک نے چودھری کے اسسٹنٹ پر ڈورے ڈالے اور کسی طرح اس سے یہ معلوم کر لینے میں کامیاب ہوگئے کہ چودھری نے ایک مختصر سے تجربے کے بعد اس گیس کا فارمولا ترتیب دے لیا ہے اور پھر وہ بُری طرح چودھری کے پیچھے پڑ گئے۔ میں سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ ایک رات عجیب اتفاق پیش آیا۔ ہم تینوں الگ الگ ایک دوسرے سے مطلق بے خبر چودھری کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ چودھری کو اغواء کروں گا۔ شاید ان دونوں کی بھی یہی سکیم رہی ہو۔ بہرحال میں اس وقت اس کمرے میں پہنچا۔ جب فریڈرک اور شلائر وہیں پر ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے چودھری شائد سوتے سوتے جاگ پڑا تھا اور اس شش و پنج میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے چپکے سے کمرے میں داخل ہوکر بجلی بجھا دی اور چودھری کو پیٹھ پر لاد کر لے بھاگا۔ لیکن مجھے ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ شلائر اور فریڈرک کے ساتھی نیچے موجود تھے اور میں تنہا تھا۔ میں چوکور کنوئیں کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ ان دونوں کے ساتھیوں کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ چودھری کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ کہیں اس جدوجہد میں ان لوگوں کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے۔ لہٰذا میں نے چودھری کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ ارادہ صرف یہ تھا کہ اسے اس طرح بیہوش کردوں۔ مار ڈالنے کی نیت نہیں تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ مر چکا ہے۔ بہرحال میرا پورا پروگرام اپ سٹ ہوگیا۔ مجھے امید تھی کہ چودھری نے وہ فارمولا کہیں نہ کہیں لکھ ضرور چھوڑا ہوگا۔ میں نے چودھری کی لاش اس کنوئیں میں دبا دی اور چپ چاپ واپس آ گیا۔

وہ پھر خاموش ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ ''لیکن تم نے جس طرح وہ ڈھانچہ اس

کنوئیں سے برآمد کیا قابل تعریف ہے۔ تمہاری ذہانت میں شبہ نہیں۔ لیکن مجھ سے یہ ہرگز نہ پوچھنا کہ میں کون ہوں۔"

"اوہو......!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔"

اجنبی چونک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔ "تمہیں اب اپنی چالبازیوں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید تمہارے ساتھی بھی تمہاری اصلی شخصیت سے واقف نہ ہوں۔" یدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا......؟" اجنبی کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان سے درندگی جھلکنے لگی۔

"خیر چھوڑو ہٹاؤ......!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے مرنے سے مجھے سب کچھ بتادو گے۔"

"تم جاسکتے ہو۔" اجنبی نے کمرے کے بقیہ لوگوں سے کہا۔ وہ سب اس طرح اٹھے جیسے خیر ہونے پر شاید انہیں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

"بیٹھ جاؤ......!" اجنبی نے فریدی اور حمید کو پتھر کی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آخر آپ کیا کرنے جارہے ہیں؟" حمید نے اردو میں کہا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔" فریدی بولا۔

اجنبی خاموش تھا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ظاہر ہورہا تھا جیسے وہ اب گفتگو ع کرنے کے لئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کررہا ہے یا موضوع ڈھونڈ رہا ہو۔

دفعتاً باہر ایک ایسا خوفناک دھماکہ ہوا کہ وہ سب سناٹے میں آگئے اور پھر اجنبی چیخ کر بے نہ دروازے کی طرف دوڑا۔

آخری منظر

حمید منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''ان کا زیپلن تباہ ہوگیا......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''زیپلن یا راکٹ......؟''

''حقیقتاً نہ وہ زیپلن تھا اور نہ راکٹ۔ کوئی نئی ایجاد تھی۔''

''لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ زیپلن ہی تباہ ہوا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اسے تباہ ہونا ہی تھا۔'' فریدی فخریہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''ورنہ فریدی انہیں بے۔ کس طرح کرتا۔''

حمید دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ فریدی نے اسے آنکھ کے اشار سے روک دیا۔

دفعتاً باہر...... ''آگ......آگ......'' کا شور سنائی دیا۔

''بھاگو......!'' فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دونوں بے تحاشہ دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس راکٹ نما مشین کا ڈھانچہ آگ لپٹوں میں گھرا ہوا تھا۔ عمارت کے ایک حصے سے بھی شعلے بلند ہورہے تھے۔ عمارت کے مخالف سمت میں بے تحاشہ دوڑے جارہے تھے۔

''یہ کیوں بھاگ رہے ہیں۔'' حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

''بھاگو، جلدی کرو۔'' فریدی بھی اسی طرف دوڑنے لگا۔ حمید بھی اس کے ساتھ دوڑ رہا ت

''آخر یہ کیوں بھاگ رہے ہیں؟'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''تم واقعی ڈیوٹ ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس عمارت میں ان کا میگزین بھی ہے۔ نہیں وہ ڈائری کہاں ہے۔''

حمید نے ایڈنا کو لڑکھڑاتے دیکھا لیکن اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اسے اٹھانے کے لئے نہ رکا۔ پھر اس نے زخمی ناک والے کو دیکھا۔ جو بقیہ ساتھیوں سے کٹ کر پلٹ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر ایڈنا کو اٹھایا اور اپنے کاندھے پر لاد کر پھر دوڑنے لگا۔

دفعتاً پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ حمید گھبرا کر مڑا۔ عمارت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ وہ دونوں اور تیزی سے دوڑنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ان سبھوں کو جالیا۔

وہ قوی ہیکل اجنبی جس سے وہ تھوڑی دیر قبل گفتگو کر رہے تھے کسی ایسی زبان میں اپنے ساتھیوں پر برس رہا تھا جو اُن کے لئے نئی تھی۔

''اے دوست......!'' فریدی اس سے نرم لہجے میں بولا۔ ''اس ڈائری کا کیا ہوا؟ میں بقیہ داستان سننے کے لئے بے چین ہوں۔''

''داستان......!'' وہ دانت پیس کر فریدی کی طرف لپکا۔ اگر وہ وار خالی نہ دیتا تو اس کا گھونسا اس کی پیشانی پر پڑتا۔

''اے دوست! تم نے وعدہ کیا تھا۔''

''شٹ اپ......!'' اجنبی حلق کے بل چیخا اور اپنے ساتھیوں سے گرج کر بولا۔ ''ان دونوں کی دھجیاں اڑا دو۔''

''نہیں پیارے گارساں......!'' ایک طرف سے آواز آئی۔

حمید نے چونک کر دیکھا۔ زخمی ناک والا اپنے دونوں ہاتھوں میں دو ریوالور تھامے کھڑا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''بقیہ داستان تمہیں سنانی پڑے گی...... اور تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔''

''اوہ...... شیفرڈ! کتے......'' گارساں غصے میں اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

''وہ کتا تو چاند ماری کے میدان میں دفن ہے۔'' زخمی ناک والے نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

حمید اس کی آواز پہچان کر بے اختیار اچھل پڑا۔

یہ فریدی کی آواز تھی۔

لیکن فریدی تو اپنی صحیح شکل وصورت میں اس کے قریب کھڑا تھا۔ لیکن وہ پہلے سے کچھ دبلا

ضرور نظر آ رہا تھا۔

''ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر جکڑ دو۔'' زخمی ناک والے نے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا اور پھر دوسرے آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ''تم صرف دس ہو اور میرے قبضے میں بارہ گولیاں ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔''

فریدی اور حمید بتائے ہوئے کام میں مشغول ہو گئے۔

ایک آدمی نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن دوسرے ہی لمحے میں زخمی ناک والے کے ریوالور کا فائر اس کا کام تمام کر چکا تھا...... اور...... بقیہ لوگ کانپ کر رہ گئے۔

گارساں شعلہ بار نظروں سے زخمی ناک والے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ناک پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن آواز سے اب ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی ناک زخمی ہے۔

''میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔'' اس نے بے دردی سے ہنس کر کہا۔ ''تم سب یہیں سو جاؤ گے۔''

''ایڈنا ڈارلنگ...... اب بتاؤ۔'' حمید ایڈنا کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور سر جھکائے کھڑی رہی۔

سب کو باندھ چکنے کے بعد وہ دونوں گارساں کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچے وہ ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ زخمی ناک والے کے ریوالور سے پھر ایک شعلہ نکلا اور گارساں چیخ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے اپنی بائیں ران داہنے ہاتھ سے دبا رکھی تھی۔ گولی ران میں لگی تھی۔ لیکن اس نے اپنا ہاتھ ران پر سے ہٹا لیا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید جیسے ہی آگے بڑھے اس نے پھر ان پر حملہ کر دیا۔ فائر ہوا۔ اس بار گولی اس کے داہنے بازو پر لگی تھی۔ لیکن اس نے فریدی اور حمید کی گردنیں نہ چھوڑیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ اس کی گردن میں اترتی جا رہی ہوں۔

ایڈنا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے زخمی ناک والے کو گھور رہی تھی۔

زخمی ناک والے نے آگے بڑھ کر ریوالور کا دستہ گارساں کے سر پر مار دیا۔ وہ پھر ان دونوں کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سر سے بھی خون بہنے لگا تھا اس نے جھنجھلاہٹ میں اپنا خون بھرا ہاتھ اپنے چہرے پر مل لیا اور پہلے سے بھی زیادہ خوفناک دکھائی دینے لگا۔ لیکن اس کے

جسم کے تناؤ میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ ایک زخمی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔

''ہاں پیارے......وہ بقیہ داستان......!'' زخمی ناک والا ہنس کر بولا۔ اب گارساں اس پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار اس نے فائر کرنے کے بجائے صرف پستول کے دستے سے کام لیا اور اس کی پیشانی سے بھی لہو رسنے لگا۔

''فضول ہے......خبیث کے فرزند......!'' زخمی ناک والے نے کہا اور اسے دھکا دے دیا۔ گارساں کولہوں کے بل دھب سے زمین پر آ رہا۔ وہ غصے میں شور مچاتا ہوا اپنے سر کے بال نوچ رہا تھا۔

''ہاں بیٹے! وہ بقیہ داستان۔'' زخمی ناک والے کے لہجے میں بلا کی سفاکی تھی۔

گارساں نے اس کی طرف تھوک دیا۔

''خیر بیٹے۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''تم نے اپنی داستان بڑے فخریہ انداز میں سنائی تھی۔ اب تھوڑی سی میری بھی سن لو...... جسے تم فریدی سمجھ رہے ہو۔ وہ فریدی کا ایک شاگرد انور ہے اور فریدی یہ خاکسار ہے۔''

حمید نے انور کی طرف دیکھا، جو فریدی کی شکل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کتنا کامیاب میک اپ تھا۔

''تمہارے ساتھیوں نے مجھے چیلنج کر کے انتہائی حماقت کا ثبوت دیا تھا۔''

فریدی پھر بولا۔ ''چاند ماری کے میدان میں اتفاق سے تمہارا آدمی شیفرڈ میرے ہاتھ لگ گیا جسے میں پہلے بھی ہارلے بلڈنگ میں دیکھ چکا تھا۔ بہر حال میں نے گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔''

حمید کے ذہن میں اس رات کے واقعات چکر لگانے لگے جب اس نے فُریدی کو اپنے کاندھے پر ایک لاش اٹھائے دیکھا تھا۔

''ہاں تو اے دنیا کے پراسرار ترین آدمی گارساں۔'' فریدی بولا۔ ''میں نے شیفرڈ کو وہیں یک گڑھے میں دفن کر دیا اور خود پر اس کا میک اپ کر کے ہارلے بلڈنگ پہنچ گیا۔ میرا اندازہ رست تھا۔ تمہارے سارے ساتھی وہیں مقیم تھے۔ میں نے اپنی ناک پر پٹی باندھ لی تھی تا کہ

ناک زخمی ہونے کا بہانہ کر کے آزادی سے اپنی آواز بدل سکوں...... تمہارے کسی آدمی کو مجھ پر ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوا۔ پھر دوسرے دن جب وہ مجھے پکڑنے کی اسکیم بنا رہے تھے میں نے ایک زبردست قسم کھائی اور عہد کیا کہ میں یا تو فریدی کو پکڑ لاؤں گا یا پھر زندگی بھر انہیں اپنی شکل نہ دکھاؤں گا...... لہٰذا میں فریدی کو پکڑ لایا۔"

فریدی نے انور کو آنکھ ماری۔

"اور یہ چوہیا......!" فریدی نے ایڈنا کی طرف اشارہ کیا۔ "جو بڑی دانش مند تھی آخر کار چکر میں آ ہی گئی۔"

گارساں پھر چیخ کر فریدی کی طرف جھپٹا مگر اسے پہلے ہی کی طرح زمین پر بیٹھ جانا پڑا۔ کیونکہ یہ اس کے سر پر تیسرا زخم تھا...... اور پہلے کے زخموں سے گہرا بھی۔

"اس کے بھی ہاتھ باندھ دو......!" فریدی نے حمید اور انور سے کہا۔

گارساں زیادہ دیر تک جدوجہد جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا تھا۔

حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔

"اور اس کا کیا ہوگا......؟" حمید نے ایڈنا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس کا آملیٹ بنے گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ پھر گارساں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "وہ ڈائری کہاں ہے؟"

گارساں پاگلوں کی طرح ہنس پڑا اور اس نے اپنا چہرہ گھما کر اس خاک کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا جو کچھ دیر قبل ایک عمارت کی شکل میں تھا۔

انور کو یقین نہ آیا۔ اس نے اس کی جامہ تلاشی لی لیکن ڈائری برآمد نہ کر سکا۔

"ہم واپس کس طرح جائیں گے؟" حمید نے پوچھا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی سرزمین میں نہیں ہو؟"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"غلط خیال ہے...... ہم رام گڈھ سے بمشکل تمام دس یا پندرہ میل کے فاصلے پر ہوں گے۔"

"رام گڈھ......؟" حمید اچھل کر بولا۔

''ہاں تمہیں حیرت کیوں ہے۔''

''اپنے یہاں سے رام گڈھ کا فاصلہ کیا ہے؟'' حمید نے کہا۔

''تقریباً ڈیڑھ ہزار میل۔''

''اور ہم نے چند گھنٹوں میں یہ مسافت طے کرلی تھی۔ میرا خیال ہے کہ بمشکل دو گھنٹے صرف ہوئے ہوں گے۔''

''انکی وہ اڑنے والی مشین انتہائی حیرت انگیز تھی۔ تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے اڑے تھے؟''

''مجھے ہوش نہیں تھا۔''

''تمہیں سن کر حیرت ہوگی کہ وہ مشین ہارلے بلڈنگ کی چھت پر اترا کرتی تھی اور وہیں سے پرواز بھی کرتی تھی۔ اس میں آواز اتنی کم پیدا ہوتی تھی کہ پڑوس والے تک اس کے وجود سے لاعلم تھے اور اندھیری رات میں وہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر پرواز کرجاتی تھی۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر گارساں سے کہنے لگا۔ ''جانتے ہو تمہاری اڑنے الی مشین کا کیا حشر ہوا......؟''

گارساں کچھ نہ بولا۔

''یہ تمہارے ہی میگزین کے ایک ٹائم بم کا کرشمہ تھا۔ میں نے پچھلی رات کو اس عمارت کا ایک گوشہ دیکھ ڈالا تھا اور وہ بم اس مشین میں آج صبح رکھا گیا تھا...... کیا سمجھے...... مجھے نہیں آتا کہ تم وہی گارساں ہو جس کیلئے ساری دنیا حیران ہے...... مگر یار میں ناحق یہ کہہ رہا ل اگر مجھے تمہارا وہ ہاتھی نما ٹرانسمیٹر اور وہ چھڑی نہ ملتی تو میں بھی اندھیرے ہی میں رہتا۔''

وہ قیدیوں کو لے کر عمارت کے ملبے کے قریب آئے۔ ڈائری کا خیال فضول ہی تھا اس کی دھجیاں اڑگئی ہوں گی۔

حمید اب بھی سوچ رہا تھا کہ اس ڈائری میں کیا تھا اور اس کا علم گارساں کو کس طرح ہوا۔ کیا اسی میں اس گیس کا فارمولا درج تھا؟

''یہ گاؤں......!'' فریدی گہری وادی کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ ''آج سے چھ سال قبل تھا۔ بدھ مذہب کے لوگوں کی آبادی تھی۔ اچانک ہیضہ پھیلا اور پورا گاؤں صاف ہوگیا اور

جو بچ گئے...... پھر انہوں نے ادھر کا رخ نہ کیا۔"

کارواں چل پڑا۔

قیدی آگے تھے اور وہ تینوں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ ایڈنا کے ہاتھ بھی انور نے اپنی ٹائی سے باندھ دیئے تھے۔ قیدی سر جھکائے چل رہے تھے۔ ان کی چال سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اپنے کسی خاص عزیز کو دفن کر کے قبرستان سے لوٹ رہے ہوں۔

"بقیہ داستان تو رہ ہی گئی۔" انور ہنس کر بولا۔

"بقیہ داستان مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "فریڈرک بیان دے کر مرا ہے۔ اس کے بیان سے میں نے جو نتائج اخذ کئے ہیں میرے خیال سے وہ غلط نہیں۔ پروفیسر چودھری کو دفن کر دینے کے بعد گارساں عرصہ تک اس خیال میں رہا کہ چودھری نے اس فارمولے سے متعلق کوئی تحریر ضرور چھوڑی ہوگی۔ فریڈرک اور شلائر چودھری کی تلاش میں رہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کہیں روپوش ہو گیا۔ شلائر بہت بڑا عیار تھا۔ اس نے کسی طرح چودھری کے اسسٹنٹ سے یہ معلوم کر لیا کہ چودھری کے سارے فارمولے اس کی ڈائری میں رہا کرتے تھے۔ لیکن وہ بھی اسی خیال میں تھا کہ چودھری ان کے خوف سے کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی ڈائری بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ اس کے برخلاف جب اس ڈائری کا علم گارساں کو ہوا تو اس نے چودھری کی کوٹھی میں اس کی تلاش شروع کر دی اور پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ شلائر اور فریڈرک بھی چودھری کا چکر چھوڑ کر اسی ڈائری کی فکر میں پڑ گئے ہیں تو اس نے چودھری کے بھوت کا ڈھونگ رچایا تاکہ کم از کم چودھری کے گھر والے اس کی سرگرمیوں میں حارج نہ ہو سکیں۔ چودھری کے اسسٹنٹ نے دو ماہ تک اس کا انتظار کیا۔ پھر اس نے پروفیسر درانی کے یہاں ملازمت کر لی۔ اس کا وہ سیکریٹری جو لاپتہ ہے وہی تھا۔ لاپتہ کیا...... وہ بیچارہ بھی اب اس دنیا میں نہیں۔"

"کیوں اسے کیا ہوا......؟" انور چونک کر بولا۔

"شلائر نے اسے بھی ختم کر دیا۔" فریدی نے کہا۔ "فریڈرک سائے کی طرح شلائر کے پیچھے لگا رہتا تھا اور اسے اس کے متعلق سب کچھ معلوم تھا۔ وہ اس کے معمولی سے معمولی پروگرا

سے واقف رہتا تھا۔ ہاں تو پروفیسر درانی کو اپنے سیکریٹری پر بڑا اعتماد تھا جس دن اس کنوئیں سے چودھری کا پنجر برآمد ہوا تھا اسی دن شاید اس خبر سے متاثر ہوکر درانی نے سیکریٹری کو بتایا کہ چودھری نے اپنی گمشدگی سے دو دن قبل اسے اپنی ڈائری دی تھی اور کہا تھا کہ وہ اسے حفاظت سے رکھے کیونکہ اسے ان لوگوں میں کچھ غیر ملکی جاسوسوں کا شبہ ہوگیا تھا، جو اسے اس کے مداح بن کر گھیرے رہا کرتے تھے۔ سیکریٹری خود بھی عرصے سے اس ڈائری کی تلاش میں تھا۔ اس وقت اس نے درانی سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی۔ اسی دن اتفاق سے اس کی ملاقات شلائر سے ہوگئی۔ وہ اسے ایک جرمن سائنسدان کی حیثیت سے جانتا تھا۔ اس نے اسے اکثر چودھری کے ساتھ بھی دیکھا تھا۔ غالباً اس نے سوچا ہوگا اگر اسے ڈائری مل بھی گئی تو وہ کہاں اس کا سودا کرتا پھرے گا کیوں نہ اس کا تذکرہ اس جرمن سائنسدان سے کرے۔ لہٰذا اس نے شلائر سے اس کا تذکرہ کیا۔ وہ تو تھا ہی اسی چکر میں۔ معاملہ پچیس ہزار پر طے ہوگیا اور دونوں نے اسے پروفیسر درانی کی کوٹھی میں تلاش کرنے کی اسکیم بنائی۔ لیکن بھلا شلائر اسے کس طرح گوارا کر لیتا کہ اس راز میں اس کا کوئی شریک بھی ہو۔ اس کے لئے اتنی ہی اطلاع کافی تھی کہ وہ ڈائری پروفیسر درانی کی کوٹھی میں موجود ہے۔ اس نے اسی شام کو پروفیسر درانی کے سیکریٹری کو ٹھکانے لگادیا۔ فریڈرک نے اس جگہ کی نشاندہی کی تھی جہاں اس کی لاش دفن کی گئی تھی۔ میں تو ادھر پھنس گیا لیکن مجھے یقین ہے کہ پولیس نے اسے برآمد کرلیا ہوگا۔''

فریدی خاموش ہوکر سگار سلگانے لگا۔ وہ ابھی تک شیفرڈ ہی کے بھیس میں تھا اور اس کی ناک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انور نے بھی اپنا میک اپ نہیں بگاڑا تھا۔

''ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا......؟'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''ٹھیک ہے...... اسی رات کو شلائر پروفیسر کی کوٹھی میں گھسا۔ فریدرک بھی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ اگر وہ ڈائری شلائر کے ہاتھ لگ بھی گئی تو وہ اسے اس سے بزور حاصل کر لے گا۔ لیکن وہ اس تیسری پارٹی سے خائف ضرور تھا۔ جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ مرتے دم تک اسے اس کا علم نہ ہوسکا کہ تیسری پارٹی کا تعلق گارساں سے تھا۔ بہرحال شلائر اس کی تلاش میں تھا کہ اس کی مڈبھیڑ درانی سے ہوگئی۔ وہ اس کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا۔ وہیں اسے پروفیسر سے دوچار ہونا

پڑا اور پھر اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے قتل کر دیا۔ دوسری رات کو شلائر نے ڈائری کا پتہ لگالیا......اور اس کے بعد تو تم جانتے ہی ہو۔''

''اس کا افسوس ہے کہ وہ ڈائری ضائع ہوگئی۔'' حمید بولا۔

''مجھے قطعی افسوس نہیں۔ اس کا ضائع ہو جانا ہی اچھا ہوا۔ کیونکہ آدمی ابھی ارتقا کی اس منزل پر نہیں پہنچا جہاں پر فرشتے کا گمان ہو سکے۔''

حمید اکتاہٹ میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے اپنا ذہن ادھر اُدھر ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر ایڈنا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''ہیلو ڈارلنگ......اب ہم لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے کیا میں اب بھی تمہیں بارش میں بھیگا ہوا اُلو معلوم ہوتا ہوں؟''

''شٹ اپ......!'' وہ بھنا کر بولی۔

''خواہ مخواہ تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔''

''خدا کے لئے مجھے پریشان مت کرو۔''

ایڈنا چلتے چلتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''یا تو اس سے میرا پیچھا چھڑاؤ...... یا مجھے گولی ماردو۔''

''اچھا......چلو......تم آگے چلو۔'' فریدی نے اس سے کہا اور حمید کی گردن پکڑ لی۔

''دیکھئے......خدا کی قسم آپ ہر معاملے میں ٹانگ نہ اڑایا کیجئے۔''

''کیوں پریشان کر رہا ہے اسے؟''

''کیوں؟'' حمید جھلا کر بولا۔ ''کیا اسے متبنٰی کرنے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسا خیال ہے تو میرے باپ کو بھی فرزندی میں قبول فرمایئے۔''

انور اس کی پیٹھ پر ایک دھول جما کر ہنسنے لگا۔

ختم شد